مولانا محمود حسن

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ

سوانحی خاکہ، تحریکِ ریشمی رومال، دینی، ملی، سیاسی خدمات
خطبات، افکار و خیالات ولی اللّٰہی تحریک اور جماعتِ شیخ الہند

مؤلف

حافظ محمد ابوبکر شیخ

الجمعیۃ میڈیا فاؤنڈیشن

051-5550686,0336-5550686

0333-5175282

Email: aljamiat@yahoo.com

مولانا محمود حسن
حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ

نام کتاب	مولانا محمود حسن حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ
تالیف	حافظ محمد ابوبکر شیخ
ناشر	الجمعیۃ میڈیا فاؤنڈیشن
مطبع	اقراء قرآن کمپنی اُردو بازار لاہور
تاریخ اشاعت	مارچ 2012 بمطابق ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
اشاعت دوئم	اکتوبر 2012ء بمطابق ذیقعد ۱۴۳۳ھ
سرورق	محمد عابد 0300-4338698
فارمیٹنگ	عبدالحسیب صابر 0306-4574107 0322-5224235
قیمت	200 روپے (مجلد نسخہ)

ملنے کا پتہ

اقراء قرآن کمپنی غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

مکتبہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

مکتبہ محمودیہ حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور

مکتبہ شہید اسلام، لال مسجد اسلام آباد

اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

الجمعیۃ اکیڈمی محلہ جنگی پشاور

شبیر نیوز ایجنسی میزان چوک کوئٹہ

اور ملک بھر میں جمعیت علماء اسلام کے دفاتر سے طلب فرمائیں

بسم الله الرحمن الرحیم

انتساب

شیخ العرب والعجم

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

کے متوسّل ومسترشد

حاجی محمود احمد عارف رحمہ اللہ

(خلیفہ مجاز حضرت مولانا سیّد حامد میاں نور اللہ مرقدہٗ)

کے نام جن کے وسیلے سے

راقم الحروف

کاروانِ شیخ الہند کا ہم سفر بنا

فللہ الحمد ولك شکر

سوانحی خاکہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ

اسم گرامی: محمود حسن، والد گرامی: مولانا ذوالفقار علی، آپ نے مدرسانہ زندگی گزاری، اور متعدد درسی کتب کی شروحات لکھیں آپ دار العلوم دیوبند کی پہلی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔

خاندان:

مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کا تعلق قصبہ دیوبند کے چند مبارک اور ذی علم خاندانوں میں سے ایک یعنی عثمانی خاندان سے تھا۔

پیدائش:

مولانا محمود حسن کی پیدائش 1851ء میں ہوئی، 1857ء کی جنگ آزادی کے وقت آپ کا قیام میرٹھ میں تھا، جہاں اس جنگ کا ابتدائی اور ایک اہم معرکہ برپا ہوا۔ کم سنی میں میرٹھ موجودگی سے قدرت نے گویا چھ سالہ محمود حسن کی ذہنی آبیاری کا بندوبست فرمایا۔

ابتدائی تعلیم:

مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے قاعدہ اور ناظرہ قرآن مجید کا اکثر حصہ ایک معمر بزرگ میاں جی منگلوری رحمہ اللہ سے اور کسی قدر میاں جی عبد اللطیف رحمہ اللہ سے پڑھا۔ فارسی کی تمام درسی کتب اور عربی کی ابتدائی کتب اپنے معزز چچا مولانا مہتاب علی رحمہ اللہ سے پڑھیں۔

دار العلوم دیوبند میں تعلیم کا آغاز:

1866ء میں مدرسہ دیوبند کے مدرسِ اول ملا محمود رحمہ اللہ سے پڑھنا شروع کیا 1867ء میں کنز الدقائق، میبذی اور مختصر المعانی کا امتحان دیا۔ 1868ء میں ہدایہ، مشکوۃ، مقامات حریری کے امتحانات میں شریک ہوئے۔ 1869ء میں کتب صحاح ستہ، حجۃ اللہ البالغہ اور بعض دیگر کتب بانی دار العلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے پڑھیں۔

معین استاد:

دوران تعلیم ہی مولانا محمود حسن مدرسہ عربی دیوبند میں معاون استاد مقرر ہوئے۔

فراغت:

1289ھ بمطابق 1872ء میں درس نظامی کی تکمیل کی۔

دستار بندی:

1290ھ بمطابق 1873ء کو اہل اسلام کے مجمع عام میں اس وقت کے اکابر شیوخ وعلماء کی موجودگی میں مولانا محمود حسن کی دستار بندی ہوئی۔

باقاعدہ تدریس:

دورۂ حدیث، حجۃ اللہ البالغہ اور دیگر اہم کتب کی تعلیم کے دوران ہی مولانا محمود حسن رحمہ اللہ بطور معاون استاد تدریس کا آغاز فرما چکے تھے۔ اب 1292ھ میں آپ باقاعدہ طور پر دارالعلوم دیوبند میں استاد مقرر ہوئے۔

مولانا محمود حسن رحمہ اللہ استاد حدیث:

باقاعدہ تدریس کے محض ایک سال بعد حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کو حدیث کی نہایت مشکل اور اہم کتاب سنن ترمذی شریف پڑھانے کے ساتھ ساتھ مشکوۃ شریف اور ہدایہ وغیرہ جیسی 9 دیگر کتابوں کے اسباق پڑھانے پر مامور کر دیا گیا۔ 1875ء میں مدرسہ عربیہ دیوبند کے باضابطہ اساتذہ کی کل تعداد چار تھی اور حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ بھی ان چار میں سے ایک استاد تھے۔

مشاہرہ:

آپ کو صرف پندرہ روپے ماہوار مشاہرہ ملتا تھا۔ آپ رحمہ اللہ مشاہرہ قبول ضرور فرماتے تھے لیکن بکراہت اور بقدر ضرورت ...... کیونکہ متاخرین فقہائے حنفیہ نے تعلیم پر ضرورتاً اجرت کو جائز قرار دیا ہے اور قاعدہ مشہور ہے "الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ" "ضرورت بقدر ضرورت تک محدود ہے"

ایک عظیم الشان قافلہ حج کے ساتھ روانگی:

یہ 1294ھ مطابق 1877ء کا واقعہ ہے، اکابر علماء اور مشائخ دیوبند نے حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے استاد مکرم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا رفیع الدین رحمہ اللہ، صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ اور دیگر بہت سے علماء اور صلحاء اس مبارک اور مقدس قافلے میں شامل تھے، حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ اپنے اکابر اور اساتذہ کی معیت کو سعادت سمجھتے ہوئے سفرِ حج کے اس قافلے میں شریک ہو گئے۔

اجازتِ حدیث:

ان دنوں استاذ الاساتذہ شاہ عبد الغنی دہلوی رحمہ اللہ مہاجر مدنی مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ یہ مقدس قافلہ اپنے بزرگ شاہ عبد الغنی دہلوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، یہاں مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی ترغیب پر شاہ عبد الغنی دہلوی رحمہ اللہ سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

بیعت واجازت:

حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے اسی سفرِ حج کے دوران اپنے استاذِ محترم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے فرمانے سے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے مزید تزکیہ کی ضرورت نہ سمجھی اور سلاسلِ اربعہ میں اجازتِ بیعت تحریر فرما کر اجازت عنایت فرمادی۔ بعد ازاں بانی دارالعلوم دیوبند نے بھی بیعت اور خلافت سے نوازا۔

دارالعلوم کے شیخ الحدیث:

۱۲۹۵ھ میں مولانا محمود حسن رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور حدیث کی سب سے اہم اور عند اللہ خاص مقام کی حامل کتاب صحیح بخاری شریف کی تدریس شروع کی۔

دارالعلوم کے صدر مدرس:

۱۳۰۵ھ میں حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ دنیا کی معروف دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور تینتیس سال اس منصب مبارک پر فائز رہ کر علوم نبویہ کی تدریس کیساتھ اس کے تدریسی نظام کے نگران رہے۔

اندازِ تدریس اور اوقات تدریس:

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند بیان فرماتے ہیں کہ: ''میں نے دیکھا کہ حضرت صبح آٹھ بجے سے لے کر بارہ بجے تک درس دیا کرتے تھے، اسی طرح آپ چھ مہینے میں ترمذی شریف ختم کرادیتے تھے اور اس کے بعد بخاری شریف کا درس اسی وقت شروع کرادیتے تھے، عصر کی نماز کے بعد مدرسہ کی مسجد میں ابوداؤد شریف کا سبق پڑھاتے تھے۔ مصلے پر آپ تشریف فرما ہوتے اور سامنے چٹائیوں پر طلبا بیٹھ جاتے تھے''

حضرت کی تقریر نہایت سلیس اور رواں ہوتی تھی۔ طرزِ استدلال اتنا عجیب تھا کہ پہلے ہر مسئلے کا اثبات قرآن پاک کی آیت پھر احادیث اور پھر آثارِ صحابہؓ سے ترتیب وار بیان فرماتے۔ اسباق پوری تیاری اور پورے مطالعہ کے بعد پڑھاتے تھے۔ شروحاتِ حدیث اور فقہ کو نا معلوم کتنی بار دیکھ چکے تھے۔

طریقۂ درس اور جمع بین الاقوال والاحادیث وہی تھا جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی درسگاہ کا تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ کے اقوال کو نہایت اعتماد اور احتیاط کے ساتھ پیش فرماتے تھے۔ حضرت مولانا فخر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ'' حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جب کبھی کسی مسئلے پر کلام کرتے تو ہمیشہ یہ فرماتے تھے'' واللہ سبحانہ وتعالیٰ بات یوں معلوم ہوتی ہے۔''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سبق پڑھایا کرتے تھے اور خود ہی قراءت فرماتے، لیکن مجال ہے قرات میں ایک لفظ بھی شرح کا آجائے یا کوئی حرف بخاری کا رہ جائے۔ ایسا بھی اکثر ہوتا کہ آپ رحمہ اللہ کی آنکھوں میں نیند کا غلبہ ہوتا اور آپ رحمہ اللہ آنکھ بند کئے ہوئے قراءت فرماتے ایک ایک ورق اسی طرح قراءت کر جاتے تھے مگر کوئی حرف بھی چھوٹنے نہیں پاتا تھا۔ تفسیر،

حدیث، منطق، فلسفہ، علم معانی و بیان تمام علوم بلا تکان پڑھاتے تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا دوران تدریس طریقہ کار یہ تھا کہ روحانی توجہ اور مشفقانہ انداز سے اپنے شاگردوں کے قلوب پر جادوئی اثرات مرتب کر کے ایک خاص قسم کے سحر میں مبتلا کر دیتے تھے۔ اس قسم کی کیفیت کے اثرات ان کے شاگردوں کی جمعیت کے اکثر افراد پر اس وقت ظاہر ہوئے کہ جب عملی طور پر اس تحریک میں کردار ادا کرنے کا وقت آیا جس تحریک کی تیاری پر شیخ الہند رحمہ اللہ ہمہ تن مصروف تھے، اس مرحلے سے پہلے حضرت کے عملی اور اقدامی معاملات اور اسکے مقاصد سے ان کے شاگرد ناواقف تھے۔

قصبہ دیوبند

شیخ الہند رحمہ اللہ حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی جدوجہد پر مزید گفتگو سے پہلے ہم عالمگیر شہرت کے حامل مردم خیز قصبہ دیوبند اور تحریک دارالعلوم دیوبند کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں: دیوبند قصبہ دہلی سے اکانوے (91) میل کی مسافت پر شمال مشرق کی جانب ہے، دیوبند کے شمال میں سہارنپور شہر، جنوب میں مظفر نگر، مشرق میں بجنور اور مغرب میں کرنال واقع ہے، قصبہ دیوبند کے مشرقی پہلو میں دریائے گنگا اور مغربی گوشے میں دریائے جمنا بہتے ہیں۔

مسجد چھتہ

1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد اسی قصبہ دیوبند کی مسجد چھتہ میں 1867ء میں مدرسہ قائم ہوا۔ اس مدرسے کے قیام کی تفصیل ہم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ صاحب کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

دارالعلوم دیوبند کے قیام کی مختصر تاریخ:

تیرہویں صدی آخری سانس لے رہی تھی۔ ہندوستان میں اسلامی شوکت کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ صرف اٹھتا ہوا دھواں رہ گیا تھا جو چراغ بجھ جانے کا اعلان کر رہا تھا۔ دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہو چکا تھا۔ صرف ڈھول کی منادی میں ''ملک بادشاہ کا'' رہ گیا تھا۔ اسلامی شعائر رفتہ رفتہ روبہ زوال تھے۔ دینی علم اور تعلیم گاہیں پشت پناہی ختم ہو جانے کی وجہ

سے ختم ہو رہی تھیں ۔ علمی خانوادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا فیصلہ کیا جاچکا تھا۔ دینی شعور رخصت ہو رہا تھا اور جہل وضلال مسلم قلوب پر چھاتا چلا جا رہا تھا۔ مسلمانوں میں پیغمبری سنتوں کی بجائے جاہلانہ رسوم ورواج ،شرک وبدعت اور ہواپرستی وغیرہ زور پکڑتے جارہے تھے۔ مشرقی روشنی چھپی جارہی تھی اور مغربی تہذیب وتمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا جس سے دہریت والحاد، فطرت پرستی اور بے قیدی نفس آزادی فکر اور بے باکی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں جس سے نگاہیں خیرہ ہو چلی تھیں۔ اسلام کی جیتی جاگتی تصویر بیمار آنکھوں میں دھندلی نظر آنے لگی تھی اور اتنی دھندلی کہ اسلامی خدوخال کا پہچاننا مشکل ہو چکا تھا۔ چمن اسلام میں خزاں کا دور دورہ تھا۔ خوش آواز اور شیریں ادا پرندوں کے زمزمے مدہم ہوتے جارہے تھے اور ان کی جگہ زاغ وزغن کی مکروہ آوازوں نے لے لی تھی اور اسی قسم کے ہزارہا حوادث اور المناک واقعات کے چند اجمالی عنوانات ہیں جن سے اس وقت کے ہندوستان کی مسموم فضا کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں۔

اندکے باتو بگفتیم وبدل ترسیدیم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ان حالات سے یقین ہو چلا تھا کہ اسلام کا چمن اب اجڑا اور یہ کہ اب ہندوستان بھی اسپین کی تاریخ دہرانے کیلئے کمر بستہ ہو چکا ہے کہ اچانک چند نفوس قدسیہ نے بالہام خداوندی اپنے دل میں ایک خلش اور کسک محسوس کی ۔ یہ خلش علوم نبوت کے تحفظ ، دین کو بچانے اور اس کے راستہ سے ستم رسیدہ مسلمانوں کو بچانے کی تھی ۔ وقت کے یہ اولیاء اللہ ایک جگہ جمع ہوئے اور اس بارے میں اپنی اپنی قلبی واردات کا تذکرہ کیا جو اس پر مجتمع تھیں کہ اس وقت بقائے دین کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہ تھی کہ دینی تعلیم کے ذریعے مسلمانان ہند کی حفاظت کی جائے اور تعلیم وتربیت کے راستہ سے ان کے دل ودماغ کی تعمیر کر کے ان کی بقاء کا سامان کیا جائے اور اس کی واحد صورت یہ ہی ہے کہ ایک درس گاہ قائم کی جائے جس میں علوم نبویہ پڑھائے جائیں اور ان ہی کے مطابق مسلمانوں کی دینی ،معاشرتی اور تمدنی زندگی اسلامی سانچوں میں ڈھالی جائے جس سے ایک طرف تو مسلمانوں کی داخلی راہنمائی ہو اور دوسری طرف خارجی مدافعت ۔ نیز مسلمانوں میں صحیح اسلامی تعلیمات بھی پھیلیں اور ایمان دارانہ

سیاسی شعور بھی بیدار ہو۔ ان مقاصد کے لئے کمر باندھ کر اٹھنے والے یہ لوگ رسمی قسم کے راہنما اور لیڈر نہ تھے بلکہ خدا رسیدہ بزرگ اور اولیاء وقت تھے اور ان کی باہمی گفت وشنید کوئی رسمی قسم کا مشورہ یا تبادلہ خیال نہ تھا بلکہ تبادلہ الہامات تھا۔ جیسا کہ وقت کے اولیاء اللہ کے قلوب پر بیک وقت یہ الہام ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ وبقاء کی واحد صورت بقاء مدرسہ ہے چنانچہ اس مجلس مذاکرہ میں کسی نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حفظ دین و مسلمین کے لیے اب ایک مدرسہ قائم ہونا ضروری ہے کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے کہ مدرسے کا قیام ضروری ہے کسی نے کہا مجھے صریح لفظوں میں کہا گیا ہے کہ ان حالات میں مدرسے کا قیام بہت ضروری ہے ان اہل اللہ کا اس تبادلہ واردات کے بعد قیام مدرسہ پر جم جانا درحقیقت عالم غیب کا مرکب اجماع تھا جو قیام مدرسہ کے بارے میں منجانب اللہ واقع ہوا۔

اس سے جہاں یہ واضح ہے کہ اس وقت کے ہندوستان میں قیام مدرسہ کی یہ تجویز کوئی رسمی نہ تھی بلکہ الہامی تھی وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس تجویز کے پردہ میں ملک گیر اصلاح کی سپرٹ چھپی ہوئی تھی۔ جو محض مقامی یا ہنگامی نہ تھی کیونکہ اسلامی شوکت ختم ہو جانے کا اثر بھی مقامی نہ تھا جس کے تدارک کی فکر تھی وہ پورے ملک میں پڑ رہا تھا اس لیے اس کے دفعیہ کی یہ ایمانی رنگ کی تحریک بھی مقامی انداز کی نہ تھی بلکہ اس میں عالمگیری پنہاں تھی۔ گو ابتدا سے اس کی شکل ایک چھوٹے سے تخم کی سی تھی مگر اس وقت اس میں شجرہ طیبہ لپٹا ہوا تھا جس کی جڑیں قلوب کی زمین میں پھیلی ہوئی تھیں اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں اس سلسلہ میں ان نفوس قدسیہ کے سربراہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ تھے جنہوں نے اس غیبی اشارے کو سمجھا اور اسے ایک تجویز کی صورت دی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ مبارک تجویز عملی صورت میں نمودار ہوئی اور 15 محرم الحرام 1283ھ بمطابق 30 مئی 1867ء کو دارالعلوم کی بنیاد رکھ دی گئی۔ بیس بڑے مسلمان ص 24 تا 26۔

دارالعلوم کی تاسیس اور پیشین گوئیاں:

دارالعلوم کی بنیاد کیسے رکھی گئی؟ بانیانِ دارالعلوم کے مقاصد واہداف کیا تھے؟ کن پیشین گوئیوں کی بنیاد پر تھے؟ ان سب سوالوں سمیت دیگر متعلقہ پہلوؤں کا جواب

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی جامع ترین تحریر میں موجود ہے۔
ملاحظہ کیجئے!

دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے ہیں ایک انار کا درخت ہے اسی درخت کے نیچے سے آبِ حیات کا چشمہ پھوٹا اور اسی چشمہ نے ایک طرف تو دین کے چمن کی آبیاری شروع کر دی اور دوسری طرف اس کی تیز و تند شرک ''بدعت''فطرت پرستی، الحاد و دہریت اور آزادیِ فکر کے ان خس و خاشاک کو بھی بہانا اور راستہ سے ہٹانا شروع کر دیا جنہوں نے مسلمانوں کے قلوب میں جڑ پکڑ کر انہیں یہ روزِ بد دکھایا تھا۔ بانی دارالعلوم کا یہ خواب کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے ہاتھوں اور پیروں کی دسوں انگلیوں سے نہریں جاری ہیں اور اطراف عالم میں پھیل رہی ہیں پورا ہوا اور مشرق و مغرب میں علوم نبوت کے چشمے جاری ہونے کی راہ ہموار ہوگئی۔ دارالعلوم کے مہتمم ثانی حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کا یہ خواب کہ علوم دینیہ کی چابیاں مجھے دی گئی ہیں۔ خواب ہی نہ رہا بلکہ حقیقت کے لباس میں جلوہ گر ہو گیا۔ اور اس مدرسہ کے ذریعے ان چابیوں نے ان قلوب کے تالے کھول دیئے جو علم کا ظرف تھے یا ظرف بننے والے تھے جن سے علم کے سوتے ہر طرف سے پھوٹنے لگے اور چند نفوس قدسیہ کا علم آن کی آن میں ہزارہا علماء کا علم ہو گیا۔ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رحمہ اللہ دیوبند سے گزرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچے تھے۔ جہاں دارالعلوم کی عمارت کھڑی ہوئی ہے تو فرمایا تھا کہ مجھے اس جگہ سے علم کی خوشبو آئی ہے۔ پس وہ خوشبو جس کو سیّد صاحب کی روحانی قوتِ شامہ نے سونگھا تھا ایک سدا بہار گلاب کے پھول، بلکہ گلاب آفرین درخت کی شکل میں آگئی جس سے ہزاروں پھول کھلے اور ہندوستان کا اجڑا ہوا چمن تختہ گلاب بن گیا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ خوشبو بیج بنے گی بیج سے کلی کھلے گی، شگفتہ کلی سے پھول بنے گی، پھول سے گلدستہ بنے گی اور اس گلدستہ کی خوشبو سے سارا عالم انسانی مہک اٹھے گا اور کسے پتہ تھا کہ ایشیا کی فضا میں مغربی استعماریت کے جو جراثیم پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ اس کی جراثیم کش مہک سے آپ ہی اپنی موت مرنے شروع ہو جائیں گے چنانچہ اس وقت کے برطانوی ہند میں نئی فاتح قوم انگریز کو فکر تھی کہ ہندوستان کے دل

ودماغ کو یورپین سانچوں میں کس طرح ڈھالا جائے جس سے برطانویت اس ملک میں جڑ پکڑ سکے۔ ظاہر ہے کہ دل ودماغ کے بدل دینے کا واحد ذریعہ تعلیم ہوسکتی تھی جس نے ہمیشہ ان سانچوں میں دلوں اور دماغوں کو ڈھالا ہے جن کو لے کر تعلیم آگے آئی ہے اس لیے ہندوستان کو فرنگی رنگ میں ڈھالنے کے لیے لارڈ میکالے نے تعلیم کی اسکیم پیش کی اور وہ اسکولی اور کالجی تعلیم کا نقشہ لے کر یورپ سے ہندوستان پہنچا اور یہ نعرہ بلند کیا کہ ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ ونسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل ودماغ کے لحاظ سے انگلستانی ہوں یقیناً یہ آواز جب کہ ایک فاتح اور برسر اقتدار قوم کی طرف سے اور تھا بھی وہ تعلیم کا۔ جو بذات خود ایک انقلاب آفریں حربہ ہے تو اس نے ملک پر ذہنی انقلاب کا خاطر خواہ اثر ڈالا۔ اس تعلیم سے ایسی نسلیں ابھرنی شروع ہوگئیں جو اپنے گوشت پوست کے لحاظ سے یقیناً ہندوستانی تھیں لیکن اپنے طرز فکر اور سوچنے کے ڈھنگ کے اعتبار سے انگریزی جامہ میں نمایاں ہونے لگیں اس ذہنی مگر خطرناک انقلاب کو دیکھ کر

بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے دارالعلوم قائم کر کے اپنے عمل سے یہ نعرہ بلند کیا کہ..................

"ہماری تعلیم وتمدن کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ ونسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل ودماغ کے لحاظ سے ان میں اسلامی شعور زندہ ہو۔"

اس کا ثمر یہ نکلا کہ مغربیت کے ہمہ گیر اثرات پر بریک لگ گیا اور بات یکطرفہ نہ رہی بلکہ ایک طرف اگر مغربیت شعار افراد نے جنم لینا شروع کر دیا تو دوسری طرف مشرقیت نواز اور اسلامیت طراز کنبہ بھی برابر کے درجہ میں سامنے آنا شروع ہوگیا۔ جس سے یہ خطرہ باقی نہ رہا کہ مغربی سیلاب سارے خشک وتر کو بہالے جائے گا اگر اس کی روک کا ریلا بہاؤ پر آئے گا تو ایسے بند بھی باندھ دیئے گئے ہیں جو اسے آزادی سے آگے نہ بڑھنے دیں گے بہر حال وہ ساعت محمود آگئی کہ مدرسہ کا آغاز ہوا اور اس کی تعمیری ودفاع کی ملی جلی تعلیم عملاً ساحت وجود پر آگئی۔ ملا محمود دیوبندی نے (جو حضرت بانی دارالعلوم کے امر پر مدرسہ دیوبند کا یہ تعلیمی منصوبہ جاری کرنے کے لیے بحیثیت مدرس میرٹھ سے دیوبند تشریف لائے) اپنے ایک شاگرد

کو کہ ان کا نام بھی محمود ہی تھا اور آخر کار شیخ الہند مولانا محمود حسن کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوئے) بٹھا کر کسی عمارت میں نہیں جو مدرسہ کے نام سے بنائی گئی ہو بلکہ چھتہ کی مسجد کے کھلے صحن میں ایک انار کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر اس مشہور عالم درس گاہ دارالعلوم دیوبند کا افتتاح کر دیا۔ نہ کوئی مظاہرہ تھا نہ شہرت پسندی کا ردکار اور جذبہ، نہ نام ونمود کی تڑپ تھی اور نہ پوسٹر واشتہارات کی بھر مار۔ بس ایک شاگرد اور ایک استاد شاگرد بھی محمود استاد بھی محمود۔ دو نفر سے یہ لاکھوں کے ایمانوں کی حفاظت کی اسکیم معرض وجود میں آگئی۔ سادگی اور ندرت ایمان کا دور دورہ شروع ہو گیا جو سنت نبوی اور اتباع سلف کی روح ہے مقصد نہ ترفہ تھا نہ تنعم نہ تعیش نہ تزین، نہ تفاخر نہ تکاثر بلکہ صرف ما انا علیہ واصحابی کا مرقع بنانا اور علیکم بسنتی الخ" واتبع سبیل من اناب الی کی سیدھی راہ کی عملی تصویر کھینچی تھی اور اس تصویر کشی میں کمال احتیاط واعتدال بھی پیش نظر تھا کہ صراط مستقیم کے یہ خطوط کہیں ان بہتر ۷۲ فرقوں کے خطوط سے نہ مل جائیں جنہیں شریعت کی اصطلاح میں سبل متفرقہ کہا گیا ہے۔

اس لیے جامعیت واعتدال اور دین و دانش کے ملے جلے اندازوں کے ساتھ اس درس گاہ میں تعلیم وتربیت کا خط مستقیم کھینچا گیا۔ (بیس بڑے مسلمان ص 30 / 29)

حضرت شاہ ولی اللہ کی انقلابی جماعت:

ہندوستان کا خطہ روحانی پیشواؤں کا مرکز تھا جس کے زیر اثر یہاں کے باشندوں میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو کہ ایک مثالی انسان میں ہونی چاہئیں۔ لیکن ظالم انگریز نے تجارت کے بہانے یہاں قدم جمائے تو نہ صرف یہ کہ یہاں کے وسائل پر قبضہ کر لیا بلکہ اپنی بے ہودہ تہذیب، فرسودہ نظام تعلیم اور عیسائیت کی تبلیغ کے ذریعے ہندوستان کو اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا۔ فخر الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حالات کی نزاکت بھانپتے ہوئے فرنگی اثرات کے انسداد کی غرض سے انقلابی جماعت کی بنیاد رکھی بزرگانِ دیوبند کے مرشد قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ اس مزاحمتی قبیلہ کے چوتھے امیر مقرر ہوئے تو انگریز کے خلاف باقاعدہ 1857ء میں جنگ آزادی شروع کر دی۔ آپ کے رفقاء میں بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے علاوہ

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ،حضرت مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ اور مولانا شیخ محمد تھانوی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات شامل تھے۔حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ امام مقرر ہوئے ۔حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سپہ سالار اور حضرت گنگوہی قاضی جبکہ تھانہ بھون کو دارالسلام قرار دیا گیا۔اس موقع پر مولانا شیخ محمد تھانوی رحمہ اللہ نے بے سروسامانی کی طرف اشارہ کیا تو شیخ نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند نے فرمایا:

”کیا ہم اصحابِ بدر سے بھی زیادہ بے سروسامان ہیں؟“

تفصیل بہت دلچسپ بھی ہے اور روح فرسا بھی ۔ بزرگان دیوبند نے اس جدوجہد میں کیا کیا، کیا؟ اور کیسے کیسے قربانیاں دیں؟ بلاشبہ وہ جہاں رکے، کوہِ گراں ثابت ہوئے اور جب چلے تو جاں سے گذر گئے ۔ ظالم انگریز نے کس قدر سفاکانہ اور حیا سوز حرکتیں ان سرفروشوں پر روا رکھیں اور اصحابِ محمد کے یہ روحانی فرزند کس طرح سینہ تان کر ہر ظلم سہتے رہے اس کا اندازہ مسٹر رسل کے اس اعتراف سے لگایا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کو خنزیر کی کھالوں میں سی دیا گیا اور قتل کرنے سے پہلے خنزیر کی چربی ان کے بدن پر ملی گئی اور پھر انہیں جلا دیا گیا۔

(تمغہ کا دوسرا رخ مصنفہ ایڈورڈ ٹامس ص 480 بحوالہ بیس بڑے مسلمان ص120 ،بشکریہ ماہنامہ فقاہت لاہور مارچ 2011ء)

جن دنوں دیوبند میں دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا انہی دنوں بانی دارالعلوم دیوبند حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کوششوں سے سہارنپور، میرٹھ، مراد آباد اور ڈھاکہ میں بھی مدارس قائم ہوئے ،تاہم دارالعلوم دیوبند کو ان مدارس میں مرکزی حیثیت حاصل ہوئی ۔ برصغیر سے باہر مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ قائم ہوا اس کے مؤسس بھی تحریک سے وابستہ 1857ء کی جنگ آزادی کے مجاہد اور غازی مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ تھے۔

مدارس کی اجتماعیت:

برصغیر میں مدارسِ اسلامیہ کی اجتماعیت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی مرہونِ منت ممکن ہوئی۔اس خطۂ عظیم میں دینداری اسلامی بودوباش، وضع قطع اکابر کے قائم

کردہ مدارس دینیہ کی عظیم الشان خدمات کا ثمر ہے۔جس طرح قیام مدارس کا عمل برصغیر میں تحریک کی شکل میں ظہور پذیر ہوا اسی طرح ان مدارس کی حیثیت بھی محض درسگاہوں کی نہیں تھی بلکہ یہ ایک تحریک بن گئے تھے، دینی مدارس کی یہ تحریک کسی مسلکی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کے الفاظ

میں دارالعلوم دیناً ______ مسلم

فرقہ ______ اہل سنت والجماعت

مذہباً ______ حنفی

مشرباً ______ صوفی

کلاماً ______ ماتریدی

سلوکاً ______ چشتی بلکہ جامع سلاسل

فکراً ______ ولی اللّٰھی

اصولاً ______ قاسمی

فروعاً ______ رشیدی

اور نسبتاً دیوبندی ہے۔

ولی اللّٰھی فکروفلسفہ کی حامل دیوبند کی عظیم الشان تحریک کے اکابر ہمہ صفت لوگ تھے۔ بیک وقت مفسر، محدث ،فقیہ، مدرس، مجاہد فی سبیل اللہ، زاہد شب زندہ دار، صوفی باصفا، قومی وبین الاقوامی سیاسیات کے باشعور اور باخبر ''امام'' متبع سنت اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں ایک خاص مقام ومرتبہ کے حامل لوگ تھے۔تحریکِ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ حضرات کی زندگیوں کا اولین مقصد غلبہ دین کی جدوجہد، علم دین کی نشرواشاعت اور برصغیر میں مسلم اقتدار کی بحالی تھا۔ ان اکابر کی جدوجہد کے ہمہ گیر اثرات مرتب ہوئے ۔ اکابرین دیوبند اپنے اذہان اور قلوب میں بڑی وسعت اور کشادگی لیے ہوئے تھے ان کا مخاطب کوئی خاص قوم تھی اور نہ ہی ان کی جدوجہد وخدمات کا دائرہ کسی مخصوص علاقے تک محدود تھا پوری انسانیت کی فلاح وترقی اور اخروی نجات ان اکابر کا مطمح نظر تھا۔

سر سیّد احمد خان اور اُنکی تحریک:

اس زمانے میں بہت سے اہم زعمائے قوم جن کی قیادت سر سید احمد خان کر رہے تھے۔ غاصب انگریزوں پر بھروسہ کرنے اور مسلمان قوم کو انگریز کا وفادار بن کر رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ سر سید احمد خان مخصوص سوچ کے حامل ایک انتہائی متحرک شخص تھے، انہوں نے برصغیر میں ایک ایسی علمی تحریک متعارف کروائی جو خالصتاً انگریز اقتدار کے استحکام کا باعث بن رہی تھی اور مسلم اقتدار کی بحالی کی جدوجہد کیلئے انتہائی مشکلات پیدا کر رہی تھی۔ سر سید نے مسلم اقتدار کی بحالی اور آزادی کی امنگ دلانے کی بجائے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ انہیں سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہئے۔ سر سید مسلمانوں کو نصیحت کرتے تھے کہ وہ انگریز حکومت سے تعاون کریں، انگریزی سیکھیں، انگریز نظام میں نوکریاں حاصل کریں اور اپنی معاشی بدحالی کو دور کریں۔ سر سید احمد خان نے اپنی تحریروں سے انگریز سرکار کو بھی مسلمانوں کی طرف سے اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ مسلمان ویسے نہیں ہیں جیسا کہ انگریزوں نے انہیں سمجھ رکھا ہے۔ یوں سر سید نے انگریزوں کو قائل کرنے کیلئے خود انگریزوں ہی کا موقف اپنا رکھا تھا۔ سر سید یہ مشورے کس دور میں مسلمانوں کو دے رہے تھے؟ اور اس دور میں حالات کس قسم کے تھے؟ اس کیلئے ہم انگریز لکھاریوں اور خود سر سید ہی کے حوالے پیش کرتے ہیں۔

ولیم ہنٹر کہتے ہیں

> ”مسلمان ہونا جرم قرار پایا، مسلمانوں کی جائیدادیں اور جاگیریں ہندوؤں اور سکھوں میں تقسیم کر دی گئیں۔“

لارڈ رابرٹ کہتے ہیں۔

> ”میرا گذر دہلی کے چاندنی چوک سے ہوا تو ہر جانب لاشوں کے انبار تھے۔“

باسفورتھ سمتھ کا کہنا ہے

> ”انگریز فوجی شکاری کتوں کی طرح گلیوں میں پھیل گئے اور ایک کے بعد دوسرے مکان میں داخل ہو کر سب کچھ لوٹنے لگے۔“

خود سر سید لکھتے ہیں:

”کوئی بلا آسمان سے ایسی نہیں اتری جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے کسی مسلمان کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔“

(بحوالہ معاون درسی کتاب مطالعہ پاکستان سوکس جماعت فرسٹ ایئر 2011ء)

حالات کی خرابی کا اندازہ کیجئے اور اس قسم کے حالات میں سر سید کا یہ مشورہ کہ سیاست چھوڑ دی جائے، انگریزی پڑھی جائے اور انگریزوں کی نوکری کر لی جائے۔ مسلط حکمران انگریزوں کی خواہشات کا ذکر لارڈ میکالے کے حوالے سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ کی گفتگو میں آچکا، اب ملاحظہ فرمائیں بدیشی حکومت کا ایجنڈا اور سر سید کا انداز فکر اور طرزِ عمل...... اس کو سر سید کی سادگی یا خود فریبی سے کم کیا کہا جائے؟

سر سید احمد خان مسلمان قوم کو ظالموں اور غاصبوں سے مفاہمت پر آمادہ کر رہے تھے اور ظالم اور مظلوم کے درمیان اپنائیت کا رشتہ قائم کرنا چاہ رہے تھے۔ اکابر کے پیش نظر اُندلس کی اسلامی سلطنت کی تباہی کا نقشہ بالکل واضح تھا اُندلس میں مسلمان مذہبی طبقہ عیسائیت کی یلغار کے مقابلے میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہا۔ مسلم ہسپانوی قیادت نے صلیبی تحریکوں کے مقابلے میں وہی کچھ کیا تھا جس کا مشورہ سر سید احمد خان برصغیر کے مسلمانوں کو دے رہے تھے۔ اس قسم کے مشورے پر عمل پیرا رہ کر عظیم الشان مسلم ہسپانوی سلطنت کلیسا کے قبضے میں چلی گئی تھی۔

اُندلس کی تاریخ سے سبق

ولی اللّٰہی اکابر نے برصغیر میں نقصانات سے پہلے منصوبہ بندی کرتے ہوئے واضح اہداف متعین کئے اور ٹھوس طریقہ کار اختیار کیا۔ ان اکابر کی بصیرت قابل رشک ثابت ہوئی اور ان کا لائحہ عمل مثبت، پر اعتماد اور نتیجہ خیز رہا۔ حکیم احمد شجاع ایک نامور ادیب اور شاعر اور شاعرِ مشرق کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ لکھتے ہیں (اقبال مرحوم نے کہا) ”اگر یہ مُلّا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا جو کچھ ہوگا۔ میں اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔۔۔۔ آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور بابُ الاخوتین کے سِوا اسلام کے پیرووں اور تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا“ (بحوالہ: خون بہا، حصہ اول، ص ۴۵۵)

تحریک کی قیادت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے ہاتھ میں:

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور ان کے ہم عصر اکابر اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کی تحریک کی قیادت ان کے خاص شاگرد حضرت مولانا محمود حسن نے سنبھال رکھی تھی جبکہ دارالعلوم کے نائب مہتمم مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ تھے۔ ان حضرات کے درمیان رجحانات کے اختلاف نے جنم لیا۔

احاطہ دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن (از مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ)

حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کو اپنے مربی اور سرپرست حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تحریک، منصوبے اور حکمت عملی پر کامل شرح صدر تھا، آپ نے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ کے منتخب کردہ پیغام رساں (مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ) سے اس حوالے سے جو گفتگو کی وہ ہم ان کی کتاب "احاطہ دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن" سے نقل کر رہے ہیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے اس کا عنوان دارالعلوم کا مقصد، شیخ الہند رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر رکھا ہے، لکھتے ہیں:

> "ایک دن کچھ ایسا ہوا کہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نائب مہتمم نے فقیر کو یاد فرمایا اور کہا کہ تم حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے مل کر دریافت کرو کہ واقعی سیاسیات میں حضرت والا کا صحیح مسلک کیا ہے؟ میں خود حیران ہوں کہ اتنے اہم مسئلہ کے متعلق مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مجھ جیسے کسمپرس آدمی کا انتخاب کیوں فرمایا؟ لیکن اب کیا کیجئے کہ واقعہ یوں ہی پیش آیا، شاید ظہر کی نماز کے بعد کا واقعہ ہے، مسجد کے احاطہ میں ایک کمرہ تھا جسے اس زمانہ میں دارالتصنیف کا نام دیا گیا تھا، اس کمرے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی کے آخری مشغلہ یعنی ترجمہ قرآن مجید کا کام کچھ دیر کیا کرتے تھے، فقیر تو اس احاطہ کا باشندہ ہی تھا، نماز کے بعد حضرت اپنی تصنیف وترجمہ کے اسی کمرے میں تشریف لے گئے، تنہا تھے، موقع پا کر فقیر بھی پیچھے سے حاضر ہو کر عرض رسا ہوا کہ کچھ عرض کرنا ہے۔ جیسا کہ قاعدہ تھا، خندہ جبینی سے فرمایا گیا کہ آؤ، کیا

کہنا چاہتے ہو؟ بیٹھ گیا اور جو پیغام میرے سپرد کیا گیا تھا، اسے پہنچا دیا۔ سنتے رہے، اپنی بات جب ختم کر چکا تو دیکھا کہ حضرت پر ایک خاص حال طاری ہے، اور اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ بانی دارالعلوم جنہیں وہ ''حضرۃ الاستاذ'' کے لفظ سے یاد کرتے تھے، ان ہی کا نام لے کر فرمایا:

''حضرۃ الاستاذ نے اس مدرسہ کو کیا درس وتدریس، تعلیم وتعلم کے لئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں 1857ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ 1857ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے''

چالیس سال پہلے کی بات ہے، روایت باللفظ کی توقع فضول ہے، حضرت والا کی تقریر سے دل میں جو اثر اس وقت قائم ہوا تھا، اسی اثر کے نتائج کی تعبیر اپنے الفاظ میں کر دی گئی ہے۔ تقریر کی مدت کافی تھی، لیکن حاصل یہی تھا۔ آخر میں ارشاد ہوا کہ: ''تعلیم وتعلم، درس وتدریس جن کا مقصد اور نصب العین ہے، میں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں، لیکن خود اپنے لئے تو اسی راہ کا میں نے انتخاب کیا ہے، جس کے لئے دارالعلوم کا یہ نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ نے قائم کیا تھا۔''

اس کے بعد دو راہیں مختلف ہوگئیں، ایک راہ تعلیم وتعلم اور دینی نشر واشاعت کی تھی اور دوسری راہ وہی تھی جسے بالآخر حضرۃ شیخ الہند رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا اور اسی مسلک کے ساتھ اپنے مالک سے جا ملے۔ خیال آتا ہے کہ حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''فرائض الٰہیہ جس حد تک بن پڑا، ادا کرتا رہا، اب آخری کام رہ گیا ہے، جسے اپنی حد تک تو میں کر گزروں گا۔'' اور اسی کو وہ کر گزرے، خاکسار نے جو کچھ سنا تھا وہی ان لوگوں (مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی وغیرہ) تک پہنچا دیا جنھوں نے اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا۔

مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی قیادت میں تحریک کا کام جن حالات میں آگے بڑھ رہا تھا اس کی کسی قدر تفصیل پر بھی ایک نظر رہنی چاہیئے، مثلاً برطانوی سلطنت کی سرحدات اتنی وسیع ہو چکی تھیں کہ ان پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ برصغیر پر برطانوی گرفت اس قدر مضبوط تھی

کہ آزادی کی کسی تحریک کا بظاہر کوئی وجود نہ تھا۔

انڈین نیشنل کانگریس:

انڈین نیشنل کانگریس کی حیثیت ایک این جی او یا ایک انجمن سے زیادہ نہیں تھی، انڈین نیشنل گانگریس کا بعد ازاں یہ دعویٰ تھا کہ وہ غلام برصغیر کی سب سے بڑی جماعت ہے مگر اس وقت تک اس کے مطالبات کی نوعیت کچھ اس طرح کی تھی کہ اگر برطانیہ ان تمام مطالبات کو مان لیتا تب بھی برصغیر کی حیثیت اس سے زیادہ مختلف نہ ہوتی جس قسم کی حیثیت آج کل اسرائیل کے زیر اثر فلسطینی ریاست کو حاصل ہے۔

انگریز کی سرپرستی میں قائم شدہ کانگریس قابض قوم اور ان کی مقامی رعایا کے درمیان پیدا شدہ خلا کو پُر کرنے کیلئے سرگرم عمل تھی۔ من جملہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ کانگریس کے سیاسی اغراض ومقاصد ابھی منظر عام پر نہیں آئے تھے۔ مسلم لیگ جس کو بعد ازاں برصغیر کی مسلم آبادی کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ تھا ابھی نوابوں کی حویلیوں کی بیٹھکوں (Drawing Rooms) سے باہر نہیں نکلی تھی۔

مسٹر محمد علی جناح اور گاندھی:

مسٹر محمد علی جناح اور کرم چند موہن داس گاندھی ابھی برصغیر کے سیاسی افق پر نمودار نہیں ہوئے تھے۔ گاندھی نے 1914ء میں برصغیر آ کر سیاست میں حصہ لینا شروع کیا، اس سے پہلے وہ افریقہ میں ایک این جی او چلا رہے تھے، وہاں وکالت کر رہے تھے۔ انگریزوں کے حق میں تھے اور افریقہ میں انگریزوں کو رنگروٹ بھی فراہم کرتے تھے۔

عالمی سطح پر برطانیہ کی مخالف قوت کے طور پر جرمنی ایک مضبوط ملک تھا جبکہ ترکی میں مسلمہ خلافت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ جزیرہ نما عرب اور وسطی ایشیاء ادھر مشرقی یورپ میں بلقان تک ترکی پر اس کی عمل داری تھی۔ بیسوی صدی کے دوسرے عشرے میں وسط ایشیاء بخارا، سمرقند اور بلقان کی ریاستوں پر روس کی مدد سے جال پھینک کر ترکی سے کاٹا گیا۔ اس قسم کے حالات میں مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کا جال بن رہے تھے، یہ جال برصغیر کے طول وعرض سمیت افغانستان اور دیگر اہم مقامات تک بقدر ضرورت پھیل رہا تھا۔ مولانا

محمود حسن رحمہ اللہ حریتِ کاملہ، اسلامی شوکت وعظمت کی بحالی اور برصغیر میں مسلم اقتدار کے احیاء کے واضح اہداف کیلئے پیش بندی میں مصروف تھے۔مولانا محمود حسن رحمہ اللہ بظاہر ایک سادہ لوح عالم دین تھے مگر مسلمانوں کی سیاسی قوت کے خاتمے سے مسلم اُمہ کے نقصانات کا انہیں مکمل ادراک تھا، وہ اپنے مرحوم استاد بانی دارالعلوم کی عملی تحریک کے پردے میں چھپی حقیقی راہ پر گامزن تھے۔آپ رحمہ اللہ انگریز کلچر سے متنفر تھے اور انگریز سرکار کے باغی تھے، انگریز کے تسلط سے نجات شیخ الہند رحمہ اللہ کا واضح ہدف تھا۔حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی قیادت میں تحریک کی دعوت سنتِ انبیاء علیہم السلام اور مشاہیرِ اسلام کے طریقہ کار کے مطابق اپنے دور کی پوری سوسائٹی (بلاتفریق مذہب وملت) کے لئے تھی۔حضرت رحمہ اللہ کا مخاطب کوئی خاص قبیلہ،قوم یا جغرافیہ میں بسنے والے مخصوص لوگ نہیں تھے بلکہ حضرت رحمہ اللہ نے مشترکہ معاشرے میں سے بہادر اور قابل بھروسہ افراد تلاش کیئے ان کی تربیت کرتے ہوئے انہیں اپنی تحریک کا حصہ بنایا۔ آجکل بعض مخلص اور دیندار جماعتیں فرد کی انفرادی اصلاح سے معاشرے کو ٹھیک کرنے کے لئے محنت کر رہی ہیں۔

حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے غلبہ اسلام اور نظام عدل کے قیام کیلئے ہر ہر فرد پر محنت ہر ہر فرد کی اصلاح کے طویل اور غیر حقیقت پسندانہ طریقہ کار کو ہرگز اختیار نہیں کیا جیسا کہ آج کل بعض مخلص دینی جماعتوں کا طریقہ ہے۔ بلکہ امام شاہ دہلوی رحمہ اللہ کی تعلیمات اور تحریکِ سید احمد شہید رحمہ اللہ کے طرزِ عمل کی روشنی میں معاشرے سے ظلم کے خاتمے کیلئے قوت نافذہ کو حاصل کرنے کیلئے تربیت یافتہ افراد کی ایک منظم جماعت تیار کی اور باقاعدہ طور پر تحریک برپا کی۔ جسے تحریکِ ریشمی رومال کہا جاتا ہے۔علماء، مجاہدین اور حریت پسندوں پر مشتمل شیخ الہند کی تربیت یافتہ جماعت آزاد برصغیر کی تمام اقوام اور اکائیوں کی قیادت کی اہل جماعت تھی۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے گہری منصوبہ بندی اور اعلیٰ حکمت عملی کے ذریعے برصغیر کے قرب وجوار افغانستان، ترکی، حجاز اور ماوراالنہر کے ممالک میں روابط کار پیدا کر کے ان کی حربی قوت کو اپنی تحریک کی پشت بانی کیلئے ہموار کیا۔

افغان دارالحکومت کابل میں اس عہد میں دنیا کے کئی ایک انقلابی جمع تھے،

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد کابل اور برصغیر کے درمیانی حصے مہمند یاغستان ملکین، میران شاہ، وانا، میر علی وغیرہ میں موجود تھی۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنے معتمد اور عبقری دماغ شاگرد حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کو اپنا نمائندہ بنا کر کابل بھیجا حضرت سندھی رحمہ اللہ اس سفر کیلئے تیار نہ تھے مگر اپنے استاد کے حکم پر کابل پہنچے وہاں حضرت سندھی رحمہ اللہ نے کیا دیکھا خود انہی کے الفاظ میں پڑھیے:

"کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جس جماعت کے نمائندہ تھے اس کی پچاس برس کی محنت کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کیلئے تیار ہے۔ اس کو میرے جیسے ایک خادم شیخ الہند رحمہ اللہ کی اشد ضرورت تھی۔ اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہند رحمہ اللہ کے انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔"

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تحریک ان کی حجاز روانگی اور وہاں گرفتاری، مالٹا میں قید، 1920ء میں رہائی اور برصغیر واپسی پر بدلے ہوئے طریقہ کار پر مزید بات کرنے سے پہلے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے کردار اور افکار کے حوالے سے چند اہم باتوں کر ذکر کر لیا جائے۔ حضرت شیخ الہند نے حضرت سندھی رحمہ اللہ کو 1327ھ 1909ء میں دیوبند طلب فرمایا اور جمعیۃ الانصار کی تشکیل کی، یہ بظاہر فضلائے دیوبند کی انجمن تھی اور اس کا مقصد اکابر کی کتب کی اشاعت بنایا گیا تھا مگر درونِ خانہ یہ ایک بہت بڑے منصوبے کا اساسی نظم تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی توجہ اور محنت سے اس تنظیم نے جلد ہی مقبولیت حاصل کر لی اور متعدد اجلاس کر کے کام کو آگے بڑھانے لگی۔ اس تنظیم کے سرپرست حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور ناظمِ اعلیٰ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ تھے حضرت سندھی رحمہ اللہ نے دیوبند میں رہ کر چار سال تک جمعیۃ الانصار کا کام کیا پھر حضرت سندھی رحمہ اللہ اور دارالعلوم کی انتظامیہ میں اختلاف ہوا۔ اس پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے مولانا سندھی رحمہ اللہ کو 1913ء میں دیوبند سے دہلی منتقل کر دیا اور وہاں نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم کر کے اس کا نگران بنا دیا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ خود دہلی تشریف لے گئے اور مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کو حکیم اجمل خان، نواب وقار الملک، مولانا ابو کلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری سے ملوایا۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی وسعتِ ظرفی، بالغ نظری اور کمال حکمتِ عملی سے برصغیر کے یہ نامور غیر دیوبندی راہنما تحریک کے معاون ومددگار ہی نہیں جانثار سپاہی بن گئے۔ دھلی میں حضرت سندھی رحمہ اللہ نے دو سال نظارۃ المعارف کیلئے کام کیا پھر 1915ء مطابق 1333ھ میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے حکم پر دہلی سے کابل منتقل ہو گئے۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے کابل اور گردونواح میں تحریک کے اقدامی مرحلے کیلئے روابط اور طریقہ کار کے منصوبے پر کام کیا۔ ان دنوں کابل بین الاقوامی سیاسیات میں ایک اہم مرکز کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔

''اقدام'' کیلئے مناسب وقت آن پہنچا

قاسم العلوم والخیرت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند نے دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس کے قیام کیلئے جدوجہد کس مقصد کیلئے تھی؟ اس سوال کے جواب میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے حوالے سے مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی تحریری شہادت ہم پیش کر چکے ہیں حضرت بانی دارالعلوم سے مکمل ہم آہنگ سوچ اور طریقہ کار کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنے استاد کی وفات کے بعد مسلسل اپنائے رکھا، یعنی تعلیم وتربیت کی چادر تلے اقدامی مرحلے کیلئے رجال سازی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنے استاد رحمہ اللہ کی طرح اپنی تحریک اور اہداف کے معاملات کو اپنے شاگردوں سے مخفی رکھا تاہم ان کی ذہن سازی اس طرح کی کہ جب ''اقدامی'' مرحلہ آیا تو یہ حضرات حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی قیادت میں شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے بقول ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری مدظلہ تعلیم وتربیت دینی وسیاسی سے ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو قیام شرع، ادائے فرض اسلامیہ، احیاء وتجدید ملت، ملکی سیاست اور آزادی کی جدوجہد میں اپنی ذمہ داریوں کا شدید احساس اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت رکھتی ہے

صاحبِ تذکرہ حضرت شیخ الہند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری لکھتے ہیں

> ''اتنی بڑی تحریک کب راز رہ سکتی ہے لہٰذا ارباب دارالعلوم کو بھی حضرت کی تحریک کا پورا علم ہو گیا''

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمہ اللہ سے حضرت شیخ الہندؒ کی تنظیمی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا اس وقت حضرت مدنیؒ خود حضرت شیخ الہندؒ کی زیرزمین سرگرمیوں سے ناواقف تھے۔ دیوبند آ کر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہند

سے خود یہی سوال دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ نانوتوی نے دعا فرمائی تھی کہ پچاس برس تک یہ دارالعلوم قائم رہے۔ الحمدللہ پچاس برس گزر چکے ہیں اپنے استاد کے اس جملے سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ مدرسہ مخصوص دورانیہ کیلئے ہے اسلامی نظام برپا کرنے کے لئے صرف ایک جز کو پورا کرتا ہے یعنی علوم اسلامیہ کی نشرواشاعت۔ اصل کام اسلامی شوکت کی بحالی، مسلم اقتدار کا احیاء اور آزادی کی جدوجہد کیلئے رجال کار کی تیاری ہے اس قسم کے رجال کار کی تیاری اور کسی طرح ممکن نہ تھی 1857ء کی مسلح جدوجہد میں ہزاروں شہداء میں غالب اکثریت باقاعدہ علماء اور حفاظ کی تھی اس لئے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں علماء اور مجاہدین کی نئی کھیپ تیار کرنے کا راستہ اختیار کیا گیا جماعت سازی، حکمت عملی سے پیش قدمی اور مناسب موقع پر اقدامی مرحلے میں اترنا حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اس کے لئے سرگرداں رہے انگریز افواج پہلی جنگ عظیم میں الجھیں تو یہ موقع مناسب سمجھا گیا۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی دیوبند سے حجاز روانگی:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے 29 شوال 1333ھ بمطابق 10 ستمبر 1915ء بعد ظہر اپنی قدیم درسگاہ نو درہ میں دارالعلوم کے خاص منتظمین مدرسین اور ملازمین وطلبہ کو جمع فرمایا ور مناسب تمہید کے بعد بڑی وضاحت سے فرمایا کہ میرا ارادہ صرف زیارت حرمین شریفین کا ہے یہ بتانا تو مشکل ہے کہ کتنی مدت میں واپسی ہوگی مگر انشاء اللہ ضرور حتیٰ الوسع جلد واپس ہوں گا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نقش حیات میں تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے پاس برابر کفیات جہاد کی خبریں آتی رہتی تھیں''

حضرت نے اولاً مولانا عبید اللہ سندھی کو یاغستان بھیجا اور ترکی کی حکومت سے امداد لینے کی غرض سے ادھر کا قصد (ارادہ) کیا اور اپنے سفر کو سفر حج کا عنوان دیا۔

گورنر مکہ معظمہ غالب پاشا سے ملاقات کی اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور اپنی تحریک کا حال سنایا اور فرمایا کہ میں انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں غالب پاشا نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے اصرار پر گورنر مدینہ کے نام ایک خط لکھ دیا کہ مولانا محمود حسن

صاحب معتمد آدمی ہیں ان کو انور پاشا کے پاس پہنچا دو اس کے علاوہ تحریک کے متعلق کچھ ہدایات کیں کہ آپ ہندوستان میں تحریک آزادی کو خوب زور دار طریقے پر چلائیں جب انگریزوں سے ہماری (ترکی) صلح کی بات ہوگی تو ہم اور ہمارے حلیف (جرمن آسٹریا وغیرہ) ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ صلح میں پیش کریں گے۔

گورنر مکہ معظمہ غالب پاشا کے مذکورہ بالا خط کو مؤرخین نے ''غالب نامہ'' قرار دیا ہے۔ مکہ معظمہ سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ مدینہ منورہ پہنچے جہاں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ آپ کے منتظر تھے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے گھر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا قیام ہوا۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کو یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنی تحریک کا رازدار اور اپنے تحریکی کاموں میں معاون بنایا، حضرت مدنی رحمہ اللہ تحریک شیخ الہند رحمہ اللہ میں شامل ہوگئے اور مولانا خلیل احمد رازدار۔ ترک وزیر جنگ انور پاشا اور جمال پاشا (پہلی جنگ عظیم میں) محاذ کا معائنہ کرتے ہوئے مدینہ منورہ زیارت کیلئے تشریف لائے اور مسجد نبوی ﷺ میں جلسہ ہوا جس میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ اور حضرت مدنی شریک ہوئے۔ انور پاشا حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی شہرت سن چکے تھے جب حضرت نے انہیں اپنا منصوبہ بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے امداد کا وعدہ فرمایا اور چند تحریریں لکھ کر دیں جن میں آزاد قبائل کو مجاہدین کا ساتھ دینے اور انگریزوں کے خلاف اپنی کارروائیوں کو تیز تر کردینے کی ہدایت کی تھی نیز آزاد قبائل کو امداد کا اطمینان دلایا گیا تھا۔

> ''اب سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ حضرت شیخ الہند یاغستان کس طرح پہنچیں۔ ایران کا راستہ وہاں انگریز فوجوں کے پہنچ جانے کی وجہ سے بالکل بند ہوگیا تھا۔ بحری راستے سے ہندوستان ہو کر آزاد قبائل جانا آپ مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔ آخر انور پاشا اور جمال پاشا کے مشورے سے یہ طے پایا کہ اطراف ہند سے مکران ہوتے ہوئے آزاد قبائل تک پہنچا جائے لیکن ترکی زعما اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد کرنے سے معذور تھے''۔

شریف حسین کی بغاوت:

ان امور خاصہ کی انجام دہی کے بعد آپ دوبارہ مکہ معظّمہ کے لیے روانہ ہوئے۔
غالب پاشا سے ملاقات کے بعد منزل مقصود کی طرف روانہ ہوں گے غالب پاشا اسوقت طائف میں تھے آپ طائف تشریف لے گئے لیکن قدرت کو منظور نہ تھا کہ سفر جہاد شروع ہو وہ آپ کے سامنے ایک اور میدان سعادت کھولنا چاہتی تھی چنانچہ اسی کے اسباب بھی پیدا ہوتے چلے گئے آپ کا شتربان ایک ہفتے کی چھٹی لے کر چلا گیا اور دوسری کسی سواری کا انتظار نہ ہوسکا ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ شریف حسین نے انگریزوں کی مدد سے ترکوں کے خلاف بغاوت کردی اور حالات کا نقشہ یکسر پلٹ گیا اسی طرح ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ مئی ۱۹۱۶ء میں لے کر ۶ شوال ۱۳۳۴ھ اگست ۱۹۱۶ھ تک طائف سے نکلنا ناممکن ہوگیا ۱۰ شوال، ۱۰ اگست کو حضرت شیخ الہند مکہ معظّمہ تشریف لائے یہاں سے جدہ تشریف لے گئے وہاں سے پھر مکہ معظّمہ تشریف لائے۔

ترکوں کی تکفیر کا فتویٰ

یہاں خان بہادر مبارک علی اورنگ آبادی نے انگریزوں کے ایما پر ترکوں کی تکفیر اور شریف حسین کی بغاوت کے جواز میں ایک فتویٰ تیار کر رکھا تھا جس پر علمائے وقت نے دستخط بھی ثبت فرمادیئے تھے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے سامنے یہ فتویٰ پیش ہوا تو آپ نے اس کی تصویب وتصدیق سے انکار کردیا۔ اس چیز نے شریف اور اس کے حمایتیوں کو سخت مشتعل کردیا۔

کابل میں جلاوطن حکومت کا قیام:

جن دنوں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنی تحریک چلا رکھی تھی۔ جس کے ذریعے آپ برصغیر کے شمال مغربی گوشے سے حملہ کرنا چاہتے تھے ان ہی دنوں برصغیر کے چند دوسرے لیڈر باہر پہنچ چکے تھے اور وہ جرمنی اور ترکی سے ساز باز کررہے تھے برصغیر کا ایک وفد ترکی اور جرمنی گیا تھا اور ایک وفد حضرت شیخ الہندؒ کی قیادت میں مدینۂ منورہ پہنچ کر ترکی حکمران سے وثیقے اور معاہدے حاصل کرنے کی فکر میں تھا اور دونوں کا منشا یہی تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے حاجی ترنگ زئی کے ذریعے سے یاغستان میں جو تحریک شروع کررکھی تھی، افغانستان اور ترکی حکومت اس کی امداد کرے۔ حضرت مولانا سندھیؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر مسلم لیڈران کے نمائندے کی حیثیت سے یہ کام کررہے تھے۔

جب تک حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ ہندوستان میں رہے تو تحریک کی پوری قوت آپ کے ہاتھ میں تھی اور پیغامات اور ہدایات آپ ہی کے ذریعہ سے مجاہدین کو پہنچا کرتے تھے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اس وقت میری عمر نو سال کی تھی، بعد میں مجھے لوگوں سے اس تحریک کے بارے میں معلوم ہوا جو شخص پیغام رسانی کا کام کرتے تھے وہ سہارن پور ہی کے رہنے والے تھے میں نے ان سے بات چیت کی ہے ہوتا یہ تھا کہ وہ صاحب کاغذ کے پھول بنایا کرتے تھے اور ان پھولوں کو بیچتے ہوئے سرحد افغان بارڈر پہنچ جاتے تھے۔ ان میں سے جن پھولوں کے ذریعے پیغام بھیجا جاتا تھا اس کو دوسرے پھولوں کے ساتھ رکھتے تھے اگر کوئی خریدار اسی پیغام والے پھولوں کو پسند کرتا تو وہ اس سے کہتا کہ اس میں یہ نقص ہے اس کو نہ لو بلکہ اس سے بہتر پھول دکھلاتے ہیں اس طرح حضرت شیخ الہندؒ کی ہدایات مجاہدین کے پاس جایا کرتی تھیں'' (بحوالہ تذکرہ شیخ الہند رحمہ اللہ)

بہر حال کابل میں جس حکومت مؤقتہ کا وجود عمل میں آیا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اگرچہ اس کے مشورے میں شریک نہیں تھے، لیکن آپ کی حمایت اس کو حاصل تھی۔

جنگ کے شعلے ہر طرف پھیل رہے تھے اس اثناء میں برصغیر کے انقلابی نوجوان خفیہ راستوں سے جرمنی، ترکی، ایران اور افغانستان پہنچے۔ ان نوجوانوں میں مولانا برکت اللہؒ، مرزا محمد علی، راجہ مہندر پرتاپ، امبا پرشاد، اللہ نواز خاں ملتانیؒ، مسٹر ہر دیال پرشاد، مسز سروجنی نیڈو، کے بھائی چٹو پادھیائے قابل ذکر تھے۔ راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہؒ برلن میں قیصر ولیم سے ملے اور برصغیر کو آزاد کرانے کے سلسلے میں ایک جامع منصوبہ تیار کیا گیا۔ اس منصوبے کو تاریخ میں ......؟ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس منصوبے پر انقلاب پسندوں اور جرمن افسروں نے کئی روز تک غور و خوض کیا اور جب یہ منصوبہ ترمیم و اضافہ کے ساتھ منظور کر لیا گیا تو راجہ مہندر پرتاپ، مولوی برکت اور دوسرے جرمن افسر برلن سے ترکی پہنچے اور انقلاب پسندوں نے غازی انور پاشا اور سلطان ترکی سے طویل ملاقاتیں کیں چنانچہ ایک وفد ترتیب دیا گیا جس میں راجہ مہندر پرتاپ، مولانا برکت اللہؒ، ڈاکٹر فان ہنٹنگ، کیپٹن

نیڈر مائر (اسٹرین نمائندہ) اورکیپٹن کاظم بیگ شامل تھے۔ یہ وفد سلطان ترکی، قیصر جرمنی، اور جرمن چانسلر کے خاص خطوط لے کر کابل کی طرف روانہ ہوا۔ خفیہ راستوں سے یہ لوگ ہرات پہنچے۔ ہرات میں افغان گورنر نے اس وفد کا شاہانہ استقبال کیا۔ افغان فوج کے ایک دستے نے ترک کرنیل کی کمان میں ارکان کو گارڈ آف آنرز پیش کیا۔ اس کے بعد وفد نے ہرات کی مساجد اور دوسرے تاریخی مقامات کو دیکھا ہرات میں ایک دو روز قیام کرنے کے بعد یہ وفد افغانی فوجی افسروں کی رہنمائی میں گھوڑوں پر سوار ہوکر ہزارہ کی پہاڑیوں کے دشوار گزار راستوں کو طے کرتا ہوا ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچا۔ کابل میں ارکان وفد کو افغان فوج نے سلامی دی اور وفد کو حکومت افغانستان کی طرف سے بابر باغ کے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا مہمان خانے میں تمام انتظامات نہایت عمدہ اور آرام دہ تھے۔

شاہ افغانستان سے ملاقات:

ارکان وفد کو جس سرکاری مہمان خانے میں رکھا گیا تھا یہ قیام گاہ قدرتی مناظر کے اعتبار سے نہایت حسین وجمیل تھی۔ مہمان خانے کے سامنے سرسبز وشاداب وادیاں تھیں۔ مہمان خانے کے کمروں کے باہر انگور عشق پیچاں کی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ارکان وفد کی خاطر تواضع کے تمام انتظامات موجود تھے لیکن ارکان وفد کو باغ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ اور ان کی کڑی نگرانی کی جارہی تھی علاج اور معالجے کے لیے ایک ترک ڈاکٹر منیر بے مقرر تھے۔ انقلابی وفد کو تمام اطلاعات ڈاکٹر منیر بے کی وساطت سے پہنچتی رہتی تھیں۔ دو ماہ تک انقلابی وفد کے ارکان اس مہمان خانے میں ایک نظر بند کی حیثیت سے رہے، لیکن دو ماہ کے بعد ایک روز راجہ مہندر پرتاپ کے احتجاج کرنے پر شاہ افغانستان امیر حبیب اللہ خان سے ارکان وفد کی ملاقات کا انتظام کیا گیا۔ شاہ افغانستان امیر حبیب اللہ خان نے اپنے گرمائی محل میں ارکان وفد کو شرف باریابی بخشا۔ ملاقات کے وقت وزیر اعظم افغانستان سردار نصر اللہ خان، ولی عہد شہزادہ عنایت اللہ خان اور شہزادہ امان اللہ خان موجود تھے۔ شاہ کے سامنے کی کرسیوں پر راجہ مہندر پرتاپ، ڈاکٹر فان ہنٹنگ، کیپٹن نیڈر مائر، ترک کیپٹن کاظم بیگ اور مولانا برکت اللہ بیٹھے تھے، دوسری طرف مرکزی نشست پر امیر حبیب اللہ خان ان کے پہلو میں

وزیر اعظم افغانستان سردار محمد نصر اللہ خان اور دوسرے پہلو میں شہزادہ عنایت اللہ خان ،شہزادہ امان اللہ خان اور سردار محمد عزیز خان بیٹھے تھے۔انقلابی وفد کی قیادت راجہ مہندر پرتاپ کر رہے تھے انہوں نے قیصر ولیم اور سلطان ترکی کے مکتوبات گرامی، شاہ افغانستان کی خدمت میں پیش کیے اس کے بعد ڈاکٹر فان ہنٹنگ نے جرمن چانسلر کا خط شاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

دوپہر تک بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔شاہ افغانستان نے انقلابی پارٹی کے منصوبے سے متعلق تفصیلات دریافت کیں اور پوچھا کہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں جرمنی اور ترکی کی حکومتیں حکومت افغانستان کی کیا مدد کریں گی۔مولانا برکت اللہ رحمہ اللہ، راجہ مہندر پرتاپ، اور ڈاکٹر ہنٹنگ کے ترجمان کے فرائض ادا کر رہے تھے۔گفت وشنید کا سلسلہ صبح کے وقت شروع ہوا تھا اور دوپہر کے کھانے تک جاری رہا ،کیپٹن فان ہنٹنگ ، نیڈر مائر اور کیپٹن کاظم بے فارسی جانتے تھے اس لیے وہ آزادی سے گفت وشنید میں حصہ لیتے رہے، دستر خوان پر راجہ مہندر پرتاپ کے لیے ہندوانہ کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن راجہ مہندر پرتاپ نے یہ ہندوانہ کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا وہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھانا کھائیں گے۔چنانچہ انہیں بھی شاہی کھانے میں شامل کر لیا گیا۔

افغانستان میں ہندوستانی طلباء:

بہت سے آزادی پسند ہندو سکھ اور مسلمان طالب علم اور قومی کارکن ہندوستان سے بھاگ کر افغانستان پہنچ چکے تھے۔ان میں اجیت سنگھ،محمد علی وغیرہ شامل تھے۔افغان حکومت نے ان سب کو قید کر رکھا تھا۔انقلابی وفد کو جب اس کی اطلاع ملی تو مولانا برکت اللہ رحمہ اللہ اور راجہ مہندر پرتاپ نے افغان حکومت سے ان نوجوان کی رہائی کا مطالبہ کیا۔راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ رحمہ اللہ کے شہزادہ امان اللہ خان اور شہزادہ عنایت اللہ خان ولی عہد سلطنت سے نہایت گہرے تعلقات تھے۔چنانچہ ان کی کوششوں سے مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ اور دوسرے تمام ہندوستانیوں کو رہا کر دیا گیا۔یہ سب لوگ انقلابی وفد کی قیام گاہ پر ہی آگئے اور اب بڑی سنجیدگی سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے سرگرمیوں کا آغاز کرنے پر غور ہونے لگا۔

شاہ افغانستان سے الگ الگ ملاقاتیں:

پہلی ملاقات کے بعد شاہ افغانستان نے انقلابی وفد کے ارکان کو الگ الگ گفت وشنید کے لیے طلب کیا۔ پہلے روز راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ، امیر حبیب اللہ خاں سے ملاقات کرنے کے لیے شاہی محل میں پہنچے۔ شاہ افغانستان اور ہندوستانی لیڈروں کے درمیان گفت وشنید کا سلسلہ تین ساڑھے تین گھنٹے تک جاری رہا۔ اس ملاقات میں بہت سے اہم مسائل پر غور کیا گیا جن میں ہندوستان کی متوازی حکومت قائم کرنے کا سوال بھی شامل تھا۔

دوسرے روز انقلابی وفد کے جرمن ارکان ڈاکٹر فان ہنٹنگ اور کیپٹن نیڈر مائر نے شاہ سے ملاقات کی اور اس امر کا یقین دلایا کہ افغانستان میں جو متوازی انڈین گورنمنٹ قائم ہوگی، قیصر جرمنی کی حکومت نہ صرف اسے تسلیم کرے گی بلکہ اس کی اسلحہ اور سرمائے کے ذریعے مدد بھی کرے گی۔ اگر ان حالات میں ہندوستان کی برطانوی حکومت کی طرف سے افغانستان پر کوئی حملہ تو جرمنی اور ترکی دونوں افغانستان کی مدد کریں گے۔

تیسرے روز ترک نمائندے کیپٹن کاظم بے نے شاہ سے تنہا ملاقات کی۔ یہ ملاقات کئی گھنٹے تک جاری رہی اور اس ملاقات میں تمام مسائل اور ان کے نتائج پر غور وخوض ہوتا رہا چنانچہ ان ملاقاتوں کے بعد حکومت افغانستان کی طرف سے وزیر اعظم افغانستان سردار نصر اللہ خاں نے اپنے معتمد خاص آقائے عبدالرزاق خاں کو وفد کا مشیر اعلیٰ مقرر کردیا۔ اس کے بعد انقلابی کونسل کے تمام اجلاس آقائے عبدالرزاق خاں کے دولت کدے پر منعقد ہوئے۔

عبوری حکومت کا قیام:

انقلابی کونسل کا آخری ہنگامی اجلاس ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو آقائے عبدالرزاق خاں کے دولت کدے پر منعقد ہوا۔ جس میں ہندوستان کی متوازی حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا حکومت افغانستان کی طرف سے بعض سرکاری عمارات کو اس متوازی حکومت کے دفاتر کے لیے مخصوص کردیا گیا یکم دسمبر ۱۹۱۵ء کو متوازی حکومت کے قیام کا اعلان کردیا گیا۔

متوازی حکومت میں راجہ مہندر پرتاپ کو تاحیات صدر منتخب کیا گیا مولانا برکت اللہ کو وزیر اعظم اور مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کو وزارت داخلہ سونپی گئی، کیپٹن کاظم بے کو عارضی

طور پر وزیر دفاع مقرر کیا گیا۔

مولانا عبید اللہ سندھی کا کابل میں مشن

مولانا عبید اللہ سندھی افغانستان پہنچنے کے بعد اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف ہو گئے تھے۔ انہوں نے وہاں ہندوستان کی آزاد عارضی حکومت قائم کی جسے افغانستان کی حکومت نے تسلیم کر کے اس سے معاہدہ کر لیا دوسرے ملکوں میں بھی اس کی سفارتیں بھیجنے کا انتظام کیا گیا تا کہ وہ بھی اسے تسلیم کر کے اس کی اخلاقی و مادی مدد کریں مولانا سندھی نے ان تمام حالات کو تین کپڑوں پر کڑھائی کر کے ایک معتمد شخص مسمی عبدالحق کے ہاتھ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تحریک کے ایک خاص رکن شیخ عبدالرحیم کو سندھ بھجوایا تا کہ وہ اسے خود یا کسی قابل اعتماد شخص کے ذریعے حجاز میں حضرت شیخ الہند کو پہنچا دیں لیکن رومال شیخ عبدالرحیم تک پہنچنے کے بجائے عبدالحق کے مربی خان بہادر رب نواز خاں (ملتان) کے ہاتھ میں پہنچ گئے۔ جس نے اسے انگریز گورنر کی خدمت میں پیش کر دیے اور ملک وملت کی آزادی اور بہی خواہی پر انگریز کی خوشنودی کو ترجیح دی۔ ملتان کے خان بہادر نے عبدالحق سے خط دباؤ اور تشدد سے حاصل کیے۔ خطوط کی وصولی کے بعد خان بہادر کے پلے کچھ نہ پڑا چنانچہ ریشمی خطوط 14 اگست 1915ء کو ملتان کے خان بہادر رب نواز نے کمشنر ملتان کے حوالے کئے۔ یہ زرد ریشمی کپڑوں کے تین ٹکڑے تھے جن پر خوش خط اردو لکھی ہوئی تھی 9 جولائی 1915ء کو یہ خط مکتوب الیہ مولانا عبید اللہ سندھی نے کابل سے عبدالحق نامی شخص کو دے کر حیدر آباد سندھ میں شیخ عبدالرحیم کو پہنچانے کیلئے مقرر کیا عبدالرحیم نے یہ خط مدینہ پہنچانے تھے مگر عبدالحق خطوط حیدر آباد سندھ پہنچانے کی بجائے 4 اگست کو ملتان میں خان بہادر رب نواز کے پاس چھوڑ گیا یہ خان بہادر صاحب انتظار میں رہے کہ کمشنر ملتان آئیں تو ان کے حوالے کروں وہ چودہ اگست کو آئے پہلے تو کمشنر خطوط دیکھ کر چکرا گئے پھر عبدالحق کا تعارف پوچھا تو خان بہادر نے بتایا کہ میرے بچوں کا اتالیق تھا۔ کابل گیا تھا کمشنر نے عبدالحق کو بلوایا اس پر جرح کی بعد میں پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سے سفارش کی کہ خان بہادر نے خوب کام کیا ہے اس کو جلد تعریفی سند اور انعام دیا جائے انگریز انٹیلی جنس کا کہنا تھا کہ اس خط کے مخاطب مولانا تھے مراد

دیوبند کے مولانا محمود حسن رحمہ اللہ ہیں۔

حکیم صاحب سے مراد حکیم عبدالرزاق رحمہ اللہ اور ڈاکٹر صاحب سے مراد ڈاکٹر مختار احمد انصاری رحمہ اللہ، انگریز انٹیلی جنس حکام کا کہنا تھا کہ خط کے اس حصے کی ہر بات تشریح طلب ہے۔

ایک اعلیٰ ترین انگریز انٹیلی جنس آفیسر کا کہنا تھا کہ مذکورہ ناموں اور اشارات وکنایات کو اس تحریک سے ناواقف اعلیٰ افسر کو سمجھانے میں مجھے ایک سے تین گھنٹے لگے۔ ریشمی خطوط کا پکڑا جانا اور اُس میں لکھی تحریر کا ڈی کوڈ ہونا تھا کہ حالات بدل گئے۔

شیخ الہند رحمہ اللہ کی گرفتاری:

ہندوستان میں گرفتاریوں اور قید وبند اور تحقیق وتفتیش کا ایک اور لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا تاریخ میں یہ کوشش ریشمی خطوط یا ریشمی رومال کی تحریک کے نام سے موسوم ہے اب حکومت کو اپنی اس کوتاہی کا احساس ہوا کہ اس نے مولانا محمود حسن کو گرفتار نہ کرکے کتنی بڑی غلطی کی ہے لیکن حجاز میں شریف مکہ کی بغاوت کی کامیابی کے بعد انگریزوں کو بجا طور پر توقع تھی کہ آپ اب بھی اس کی دسترس سے باہر نہیں ہیں غالب نامہ کی اشاعت سے برٹش حکومت بوکھلائی ہوئی تھی اس کے بعد انور پاشا کی تحریر برٹش حکومت کے علم میں آئی اور اسے پکڑ لینے کی انتہائی کوشش کے باوجود اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو حکومت حواس باختہ ہوگئی اور اس نے طے کرلیا کہ حضرت شیخ الہند کو بہر صورت گرفتار کرلینا چاہیے اس کے بغیر حالات پر قابو نہیں پایا جاسکتا چنانچہ شریف حسین کو حکم بھیجا کہ وہ آپ کو گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالے کردے شریف نے نہایت فرمانبرداری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور دسمبر ۱۹۱۶ء میں آپ کو اور آپ کے رفقاء مولانا حسین احمد کو گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالے کردیا۔

برِصغیر کیلئے رولٹ کمیشن کا قیام اور رولٹ ایکٹ کا نفاذ:

ریشمی کپڑوں پر لکھے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے پیغام کا راز کھلنے کے بعد برصغیر اور اس سے باہر کے ان خطوں میں جہاں برطانیہ کی رسائی تھی ولی اللّٰہی اکابر اور حریت پسندوں کیلئے عرصۂ حیات تنگ ہوا تو ساتھ ہی ساتھ برٹش حکومت نے اپنے مخصوص طریقہ کار کے مطابق ریشمی رومال بغاوت کے معاملے پر کمیشن تشکیل دیا اس کمیشن کو بغاوت

کے معاملے میں مکمل غور وخوض کرنے کو کہا گیا کمیشن کا سربراہ ایک برطانوی ماہر قانون رولٹ کو بنایا گیا رولٹ نے برصغیر (جہاں تحریک کی جڑیں تھیں اور عمومی بغاوت کا میدان سجنا تھا) آکر مختلف حلقوں کے نمائندوں سے بات چیت کی اور سارے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کیلئے تمام تر ذرائع اختیار کیئے۔ رولٹ کمیشن نے باغیوں کی نشاندہی کی اور بغاوت کے اسباب وذرائع کی تفصیلات اکٹھی کرنے کے ساتھ آئندہ کیلئے اس قسم کی بغاوت کی روک تھام کو یقینی بنانے کیلئے ایک مسودہ قانون تیار کیا جسے برطانوی حکومت نے رولٹ ایکٹ کے نام سے نافذ کیا۔ رولٹ ایکٹ میں واضح طور پر لکھا گیا کہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کی تحریک کو دبانے کیلئے یہ ایکٹ بنایا گیا ہے حریت پسند انقلابی تحریکوں کو کچلنے برطانوی تسلط کو دوام بخشنے کیلئے بنائے گئے (رولٹ ایکٹ کی دفعہ 144 آج بھی ہمارے ملک میں نافذ ہے) رولٹ ایکٹ مارچ 1919ء کو نافذ کیا گیا۔ اپریل 1919ء کو امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں اس کے خلاف انگریز کے باغیوں کا احتجاجی جلسہ ہورہا تھا اس جلسے کی پرامن اور نہتی عوام پر جنرل ڈائر کے حکم پر دفعہ 144 کی خلاف ورزی کا نام دے کر گولیاں برسائیں۔ جن کے نتیجے میں پرامن احتجاج کے لئے آئے ہوئے چارسو سے زائد لوگ جاں بحق ہوئے۔ انہی دنوں جلیانوالہ باغ امرتسر کی طرح کا ایک واقعہ پشاور کے قصہ خوانی بازار میں ہوا پشاور میں جاں بحق ہونے والوں کی تعداد بھی سینکڑوں میں تھی سطح بین مؤرخین جلیانوالہ باغ اور قصہ خوانی بازار کے پرتشدد واقعات سے متعلق رائے قائم کرتے ہیں کہ ان واقعات کے بعد انگریز کے پاؤں برصغیر سے اکھڑنے شروع ہوگئے حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی گہری اور طویل منصوبہ بندی کے ساتھ کابل میں بیٹھ کر مولانا سندھی رحمہ اللہ کی حکمت عملی پر مبنی تحریک نے برطانوی استعمار کو ہلا کر رکھ دیا تھا تحریک ریشمی رومال کی پشت پر ترکی اور جرمن کے ساتھ افغان قیادت کی مثلث (ٹرائکا) کے قیام کا جو کام حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کر گزرے تھے اس کے راز جان کر انگریزوں کی نیندیں اڑ چکی تھیں، برطانوی شہ دماغوں نے اس جھٹکے سے سنبھلتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ گرفتاریاں، چھان بین کے ساتھ ہندوستان پر گرفت کو برقرار رکھنے کیلئے رولٹ ایکٹ کی شکل میں ایک مارشل لاء نافذ کیا اس مارشل لاء کے تحت تمام قانونی تقاضوں (حالانکہ رولٹ ایکٹ کے نفاذ سے پہلے بھی قانون اور اُس کے تقاضے انگریزوں کے اپنے ہی بنائے ہوئے تھے) کو

بالائے طاق رکھ کر آزادی پسندوں پر اندھا دھند مقدمات بنائے گئے اور انہیں سزائیں دی گئیں ستم بالائے ستم یہ تھا کہ رولٹ ایکٹ کے خلاف اپیل بھی نہ ہوسکتی تھی۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی عظمت:

شیخ الہند رحمہ اللہ شناس بزرگ محقق ڈاکٹر ابوسلیمان شاہجہانپوری لکھتے ہیں۔

اسی ''ریشمی رومال سازش کیس'' میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

دیوبند میں ان کا مکان اتحاد اسلامی کی سازشوں کا گڑھ تھا۔

انہوں نے سیف الرحمٰن، فضل الٰہی، فضل محمود وغیرہ کو سرحد پار قبائلیوں کو جہاد پر بھڑ گانے کے واسطے بھیجا۔

ہندوستان میں اتحاد اسلامی کی سازش میں مولانا (محمود حسن) کی رہنما یا نہ اور قائدانہ شخصیت بڑی سرکردہ ہے۔''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی گرفتاری اور عالمی منظر نامہ:

حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی گرفتاری حجاز میں ہوئی ان کی تحریک سے متعلقہ مؤثر اور فعال شخصیات کی اکثریت افغانستان میں تھی۔ تحریک کا مرکز افغان علاقے میں تھا تاہم برصغیر میں اس تحریک کے نمائندوں کے ساتھ قیادت کے مکمل روابط تھے حضرت کی تحریک کے ردِّعمل میں انگریز نے برصغیر میں زخمی سانپ کا سا ردِّعمل ظاہر کیا۔ سب سے زیادہ نازک اور خطرناک صورتحال دیوبند اور شیخ الہند رحمہ اللہ کے قریبی حضرات کیلئے تھی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

''احباب بلکہ تلامذہ، مریدین اور عزیز واقارب کو یقین تھا کہ حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقاء کو پھانسی دی جائے گی ورنہ حبس دوام اور عبور دریائے شور کی سزا پائیں گے۔ اس مریدوں اور شاگردوں تک نہ صرف تعلق ارادت اور شاگردی سے انکار کر دیا تھا بلکہ تعارف سے بھی منکر ہوگئے تھے خاص خاص لوگ نہ صرف مکان پر آتے ہوئے گھبراتے تھے بلکہ اس محلے اور کوچے میں بھی نہیں گزرتے

تھے جہاں حضرت کا دولت خانہ تھا اور حضرت کے لیے تحقیر و ملامت کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ بعض مدعیان اخلاص جان وعزت کے خطرے سے انگریزوں کی سی آئی ڈی (جاسوس) اور مخبر بن گئے تھے" (نقش حیات جلد دوم)

حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمہ اللہ کا کردار

حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے حجاز روانگی کے موقع پر تحریک کے کاموں کیلئے حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمہ اللہ کو اپنا قائم مقام نامزد فرمایا اور کارکنوں کو ہدایت کردی کہ اہم امور ان کے مشورے سے انجام دیئے جائیں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی گرفتاری کے بعد جس قسم کے احوال کو حضرت مدنی نے نقش حیات میں بیان فرمایا ہے ان میں حضرت رائپوری رحمہ اللہ دیوبند تشریف لے گئے وہاں قیام فرمایا اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے اہلِ خانہ، احباب کے علاوہ دارلعلوم کی سرپرستی فرمائی۔

حضرت شیخ الہند نے مولانا عبیداللہ سندھی کو ۱۹۱۴ء میں کابل روانہ کیا اسی سال نومبر کی دو تاریخ کو جنگِ عظیم اوّل کا آغاز ہوا۔ اس جنگ میں کون کس کا حریف تھا اور کون حلیف اس جنگ کے اہداف کیا تھے؟ جماعتِ شیخ الہند کی ہمدردیاں ترکی اور جرمنی کے ساتھ کیوں تھیں؟ اتحادی ممالک کون تھے؟ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی ان تمام معاملات پر گہری نظر تھی۔ انہوں نے اپنی تحریک کو اس موقع پر اقدامی مرحلے میں اُتارنے کا فیصلہ کیوں فرمایا؟ قارئین آپ بھی اُس عہد کے عالمی منظرنامے پر نظر ڈال لیجیے!!

جنگِ عظیم اوّل کا آغاز اور ترکی کے خلاف برطانیہ کا اعلانِ جنگ

۲ رنومبر ۱۹۱۴ء: ۴ راگست ۱۹۱۴ء کو عالمگیر جنگ کا شرراہ وسط یورپ میں چمکا اور دیکھتے ہی دیکھتے مغربی تمدن کا آتشگیر مادہ جنگ بھڑک اٹھا۔ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ! تو تھوڑے ہی عرصے کے بعد جنگ نے مسلمانانِ ہند کے لیے ایک ایسی نازک صورت اختیار کرلی جو ہندوستان میں برطانوی حکومت کی پوری

تاریخ میں کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ یعنی خلفیۃ المسلمین بھی میدان جنگ میں مشغول پیکار نظر آئے۔

ترکی کے خلاف برطانیہ نے بھی اعلان جنگ کر دیا اس اعلان جنگ کی اطلاع جب سرکاری طور پر ہندوستان میں مشتہر کی گئی ،تو ساتھ ہی حسب ذیل امور کا بھی اعلان کیا گیا تھا:

1- ترکی حکومت کے ساتھ ہماری (برطانیہ کی) جنگ دفاعی ہے، نہ کہ حملہ آورانہ ہم نے دو ماہ تک ہر طرح کا مخالفانہ اور جنگ جویانہ سلوک برداشت کیا اور پوری کوشش کی کہ کسی طرح یہ جنگ ٹل جائے۔لیکن ترکی گورنمنٹ نے برابر اپنے حملے جاری رکھے۔ اب مجبوراً ہم کو بھی اعلان جنگ کرنا پڑا ہے۔

2- ہندوستان کے مسلمانوں کو پوری طرح بھروسہ (طفل تسلی دی) رکھنا چاہیے کہ اس جنگ میں ہمارے یا ہمارے ساتھیوں کی جانب سے کوئی بات ایسی نہ ہوگی جوان کے مذہبی محسوسات کو صدمہ پہنچائے۔ اسلام کے تمام مقدس مقامات محفوظ رہیں گے۔جن میں عراق بھی داخل ہے۔ان کے احترام کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔ اسلام کے مقدس مقامات خلافت کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہ آئے گی۔ ہماری جنگ موجودہ ترکی کی وزارت سے ہے جو جرمنی کے زیر اثر کام کر رہی ہے۔ خلیفۃ المسلمین سے اور اسلام سے نہیں ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ نہ صرف اپنی جانب سے بلکہ اپنے تمام حلیفوں کی جانب سے ان باتوں کی ذمہ داری لیتی ہے۔

یہ خلاصہ اس سرکاری اعلان کا ہے جو ۲/نومبر ۱۹۱۴ء کو اعلان جنگ کی اطلاع کے ساتھ ہی گورنمنٹ آف انڈیا نے شائع کیا تھا۔ اور پھر تمام صوبوں میں سرکاری طور پر اس کی اشاعت کی گئی تھی۔ حتیٰ کہ ہر کمشنری ، ہر ضلع ، ہر صدر مقام، ہر شہر کے مسلمانوں کو جمع کر کے مقامی حکام نے اس کی نقلیں بانٹی تھیں اور زبانی بھی پڑھ کر سنایا تھا۔ برٹش انڈیا کا کوئی مسلمان گھر ایسا نہیں ملے گا جو اس اعلان سے بے خبر چھوڑ دیا گیا ہو۔ بعد کو ''نیر ایسٹ'' وغیرہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ مصر و سوڈان میں بعینہ یہی اعلان شائع کیا گیا تھا۔

اس اعلان کے بعد بھی ہمیشہ ذمہ دار حکامِ انگلستان کی زبان سے یہ باتیں بار بار ظاہر ہوتی رہیں۔ اگر کسی اظہار و بیان کی مضبوطی میں اعلان کی تکرار و اشاعت کی کثرت وسعت کو دخل ہے۔ تو بلاخوف رد کہا جاسکتا ہے کہ جس قدر کثرت و تکرار کے ساتھ یہ اعلان شائع کیا گیا شاید ہی کوئی انسانی وعدہ اس قدر دہرایا گیا ہو۔''

۲رنومبر ۱۹۱۴ء: ۲رنومبر ۱۹۱۴ء کو حکومت برطانیہ نے ایک سرکاری اعلان شائع کیا جس کی اشاعت اعلان جنگ کے ساتھ ہر قصبہ و قریہ میں کی گئی۔

''ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین کر لینا چاہیے کہ ہم یا ہمارے اتحادی اس جنگ میں کوئی ایسی بات نہ کریں گے جس سے ان کے مذہبی جذبات و خیالات کو ٹھیس لگے۔ اسلام کے مقدس مقامات بے حرمتی سے محفوظ رہیں گے اور ان کی عزت و حرمت قائم رکھنے کی ہر ممکن احتیاط برتی جائے گی۔ اسلام کے مقدس دارالخلافہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ ہم صرف ترکی وزراء سے لڑ رہے ہیں جو جرمنی کے زیر اثر کام کر رہے ہیں۔ نہ کہ خلیفۃ المسلمین سے۔ برٹش گورنمنٹ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اتحادیوں کی طرف سے بھی ان مواعید کے ذمہ داری لیتی ہے۔''

یہ خلیفۃ المسلمین کے اعلان جہاد کا جواب تھا۔ بہت سے سادہ لوح مسلمان اور خاص کر فوج کے سپاہی اور افسران اس کا شکار ہو گئے اور یہ سمجھ لیا کہ یہ ایک ملکی جنگ ہے۔ انگریزوں نے عمل اپنے اعلان کے برعکس کیا، عیاری سے مسلمان قوم سے دھوکہ کیا۔ افسوس اُن مسلمانوں پر ہے جنہوں نے سادگی اور تشکیک کے عالم میں یہ دھوکہ کھایا جماعتِ شیخ الہند رحمہ اللہ انگریز کے دامِ فریب میں نہیں آئی۔

اناطولیہ پر یونان کا حملہ (1919ء):

۱۹۱۹ء عارضی صلح نامہ نے ترکان کے احرار اور دنیائے اسلام کے دماغ میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ ابھی عارضی صلح نامہ کی سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ۶رمئی ۱۹۱۹ء کو جہاں صلح کانفرنس بیٹھی ہوئی تھی اور جہاں جرمنی ہر شرط کو جسے وہ اپنے مفادِ قومی کے خلاف پاتا تھا، ٹھکرا دیتا تھا۔ حتیٰ کہ اخباروں نے یہ کہنا شروع کیا کہ کیا ابھی جرمنی میں لڑائی کا دم خم باقی ہے۔ کلیمنشو وزیر اعظم فرانس اور لائیڈ جارج کی تائید سے یونانیوں کو اناطولیہ پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ ایک انوکھی بات تھی۔ عارضی صلح کے بعد حالات بدستور قائم رکھے جاتے ہیں جب تک صلح نہ ہو جائے۔

اسلامی مسیحی جنگ کا نقشہ:

لیکن ترکی کے ساتھ مسیحی اور اسلامی جنگ کا نقشہ تھا۔ قانون، روایت، شرافت، اصول، انصاف سب کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ انگریز کا یہ دعویٰ تھا کہ اناطولیہ میں ترک اقلیت میں ہیں اور ترکوں کو وہی علاقہ ملے گا جہاں وہ اکثریت میں ہیں اور اس کے لیے صرف پچاس لاکھ کی آبادی کا ایک حلقہ تجویز کیا گیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا بھی (حال آں کہ یہ کذب صریح تھا) تو اس کے لیے رائے شماری کی ضرورت تھی۔ اس کا بھی انتظار نہیں کی گیا اور ترکی کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لیے ۱۳ رمئی ۱۹۱۹ء کو اتحادی بیڑوں کی حمایت میں یونانی فوج سمرنا میں اتری جو ایک بندرگاہ بھی ہے، یونانیوں اور اتحادیوں کے لیے یہ ایک نادر موقع اپنے آتش عناد کو بجھانے کا تھا۔

ادھر قسطنطنیہ کا یہ عالم تھا کہ جو لوگ ظل سلطانی سے وابستہ تھے۔ سب ہمت ہار گئے اور گر بڑ مسکین بنے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ ترکی پر حکم برداری قائم ہو جانے کو غنیمت سمجھتے تھے۔ مجلس ملی (ترکی پارلیمنٹ) نے کچھ دم خم دکھلایا اور ایک تجویز احتجاج کی مرتب کی۔ لیکن سلطان نے مجلس ملی کو برخاست کر کے داماد فرید پاشا کو وزیر اعظم، علی کمال کو وزیر اخلہ اور عادل بے اور محمود علی کو وزارت میں داخل کر کے انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یا یوں کہیے کہ غدار داماد فرید پاشا کے سپرد کر دیا۔

ترکان احرار قتل کیے جا رہے تھے۔ اتحادی اور یونانی جنگی جہاز قسطنطنیہ کے سامنے لنگر ڈالے کھڑے تھے۔

اتحادی ممالک:

برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کا نام اتحادی رکھا گیا تھا۔ اتحادیوں میں حسب ذیل ممالک شامل ہے۔

برطانیہ، فرانس، اٹلی، امریکہ، جاپان، یونان، پولینڈ، پرتگال، بیلجیم، (یہ اکثر ممالک ہیں جو آج کل افغانستان پر حملہ آور ہیں۔ اور اتحادیوں کا نام افغانستان میں نیٹو ہے)۔

لارنس آف عربیہ اور اس کا مشن:

جنگ عظیم اوّل سے قبل شاطر برطانوی دماغوں نے عظیم مسلم عثمانی خلافت کے

مختلف گوشوں میں اپنا نیٹ ورک کس طرح قائم کیا اور پھر اس نیٹ ورک کی بنیاد پر ترکی کے کس طرح حصے بخرے کیئے۔ یہ جاننے کے لیے لارنس آف عربیا کے کردار کو سمجھنا ضروری ہے۔

۱۹۱۰ء میں لائیڈ جارج نے لارنس کو شرف ملاقات بخشا۔ لارنس کو ''اتحاد عرب'' یا عرب نیشنلزم'' کا داعی بنا کر ایک ایسے قافلے کے ساتھ عراق روانہ کیا گیا جس قافلے میں ہندوستان کے میجر فضل الدین اور مفتی فلسطین کے نمائندے شامل تھے۔ الائیڈ جارج وزیراعظم برطانیہ نے لارنس کو روانہ کرتے وقت کہا تھا:

''عربی حکمرانوں کے قدموں پر پونڈوں کا ڈھیر لگادو اور ان میں عربی حکومت قائم کرنے کی روح پھونک دو۔ ہرعرب شیخ سے مل کر کہو برطانیہ خطہ عرب میں عربوں کی حکومت کا اس لیے حامی ہے کہ عربوں کا اپنا ایک کلچر ہے۔ عربوں کی اپنی ایک تہذیب ہے۔ عرب ترکوں سے زیادہ مقدس ہے۔ عالم اسلام کو عربوں کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔''

ترکوں کے ظلم وستم کی فرضی داستانیں عالم عرب میں بیان کرو، عرب میں جا کر تمہارا قافلہ اس طرح کام کرے کہ تم لوگ ایک سچے پکے مسلمان نظر آؤ ''لارنس'' تمہارے مشن کی کامیابی پر برطانیہ عظمیٰ کی کامیابی ہے۔ آسمانی باپ عیسائیت کی ترقی کا سہرا تمہارے سر باندھے''۔

لارنس کے قافلے نے مفتی فلسطین امین الحسینی کی مدد اور شریف مکہ کے تعاون سے تمام عرب میں اپنا نیٹ ورک قائم کیا شریف کے بیٹے (امیر فیصل کو بعدازاں عراق کا ملک الاٹ کیا گیا اور اس کے کزن حسین کو اُردن کا خطہ دیا گیا کیونکہ ان کے باپ دادا شریف حسین، طلال، عبداللہ وغیرہ نے انگریزوں کا مکمل ساتھ دیا تھا۔ اسی لیے غدار شریف حسین اور اُس کے خاندان میں) فیصل لارنس کو یا اخی کہہ کر پکارتے تھے۔ ہر صبح اور ہر شام ''لارنس'' کی پارٹی عربی شیوخ اور حکمرانوں کا ''قبلہ'' بن گئی۔

عرب اتحاد کا فتویٰ دینے والا لائیڈ جارج بذات خود عربوں کو گمراہ کرنے کی سازش کی نگرانی کررہا تھا۔ لاکھوں روپے کا برطانوی اسلحہ، عربی میں چھپے ہوئے خوبصورت لاکھوں پمفلٹ مفتی فلسطین کی رہنمائی میں برطانیہ سے فلسطین آتے رہے اور تمام عرب میں تقسیم ہوتے رہے۔ عرب جوانوں کو لندن کے ملٹری کالج میں کپتان اور کرنل بنا کر بھیجا گیا۔ عرب

عوام کو گوریلا جنگ کی ٹریننگ دی گئی۔

نتیجے کے طور پر ہر عرب مشتعل تھا۔ ترکی کی حکومت خلاف سازش کا یہ حال تھا کہ عربوں کے نزدیک اسلام کے سب سے بڑے مجرم صرف ترک تھے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ میں عربوں نے کرنل لارنس کی رہنمائی میں انگریزی فوجوں سے قدم سے قدم ملاکر پورے عرب میں ترکوں کا قتل عام کیا۔

(لارنس کا عہدہ انگریز فوج میں کرنل کا تھا وہ فصیح عربی بولتا تھا علوم عربیہ پر اُس کو کمال کی دسترس حاصل تھی جسمانی طور پر بہت مضبوط تھا کئی کئی گھنٹے تیرا کی کرتا تھا اور اس قسم کی اپنی حرکتوں سے مسلم قوم کے غداروں کو مبہوت کر دیا کرتا تھا (ایک صدی پہلے کا لارنس قریب قریب وہی کچھ تھا جیسا کہ پکڑا جانے والا امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ مالٹا جیل میں:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور آپ کے دیگر ساتھیوں کو حجاز سے گرفتاری کے بعد مصر (سویز) کے راستے مالٹا میں لے جا کر قید کیا گیا۔ آیئے مالٹا کے بارے میں جانکاری حاصل کریں۔

مالٹا کا حدود اربعہ:

جزیرہ مالٹا وسطی بحر متوسط میں صقلی سے ساٹھ میل دور جنوب میں اور ساحل افریقہ سے دو سو میل دور شمال میں واقع ہے۔ رقبہ 95 مربع میل ہے۔ مالٹی مملکت میں شامل دو چھوٹے جزیرے 26 مربع میل کے ہیں۔ 1971ء میں مجموعی آبادی 3,22070 تھی۔ سرکاری زبانیں انگریزی اور مالٹی ہیں۔ اطالوی بھی بولی جاتی ہے۔ سرکاری مذہب رومن کیتھولک ہے۔ دارالحکومت والٹیا ہے۔

مالٹا 20 ستمبر 1964ء تک برطانیہ کی نو آبادی تھا۔ 21 ستمبر 1964ء کو اس کو دولت مشترکہ کے اندر آزادی ملی۔ 1965ء میں اقوام متحدہ اور کونسل آف یورپ کا رکن ہوا۔ 1946ء کے ایک قانون کے تحت ملکۂ انگلستان مالٹا کی سربراہ مملکت ہے جس کی نمائندگی گورنر جنرل کرتا ہے۔ پارلیمنٹ کے انتخابات متناسب نمائندگی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ نظامِ

حکومت پارلیمانی طرز کا ہے۔ (فرہنگ سیاسیات، ص 372)

جزیرہ مالٹا کا موسم:

روگیٹ کیمپ میں قیام تقریباً ایک ماہ کامل رہا وہاں کے لوگوں سے بخوبی واقفیت اور انس بھی ہو گیا مگر تکلیف بہت زیادہ ہوئی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اگر چہ وہ زمانہ فروری کے آخر کا تھا، مگر مالٹا نہایت سرد جزیرہ واقع ہوا ہے۔ اگر چہ شمالی یورپ کے باشندے جو سخت برفستان کے رہنے والے ہیں اس کو نہایت معتدل خیال کرتے تھے......

سردی کا موسم اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے معمولات:

مولانا مرحوم کو ہندوستان کی سردی بھی سخت اذیت دیتی تھی۔ وہ سردی کے ایام میں دن کو ہمیشہ دھوپ میں سوتے تھے بلکہ بسا اوقات گرمیوں کے زمانے میں بھی، سردیوں میں آگ اور کوئلہ سے تاپنے کی اکثر عادت تھی۔ روئی کے کپڑے بہت استعمال فرمایا کرتے تھے۔ گھٹنوں میں اکثر درد رہا کرتا تھا۔ سردی کے ایام میں ہاتھوں اور پیروں پر ورم ہو جاتا تھا جو سیکنے سے جاتا تھا۔ مگر مالٹا کی اس سخت سردی میں حسب عادت شب کو ڈیڑھ یا دو بجے کا اٹھنا کبھی انہوں نے نہ چھوڑا۔ اسی وقت پیشاب فرماتے، وضو کرتے، تہجد کی نماز ادا فرماتے اور اس کے بعد صبح تک مراقبہ اور ذکر خفی میں وقت گزارتے۔ ہم جوانوں کو منہ کھولنا بھی قیامت معلوم ہوتا تھا، اٹھنا یا نماز پڑھنا یا وضو کرنا تو ہزار قیامت سے بھی زیادہ تھا مگر ان کی استقامت ان کو اپنے اوقات کی پابندی اور پروردگار کی عبادت پر مجبور کرتی تھی۔ یہی حالت ہمیشہ سفر اور حضر میں مولانا کی رہی۔ پھر اس پر طرہ یہ تھا کہ اس طرح اٹھتے تھے اور اس طرح آہستہ آہستہ قدم رکھتے اور دروازہ وغیرہ کھولتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔ نہ نیند میں اصلاً فرق آتا تھا باوجود کہ ہم سب خدام ہی تھے اور سفر و حضر میں ہمراہ اور رفیق تھے مگر ہم سبھوں سے بھی چھپانے کی آخر تک برابر کوشش فرماتے رہے۔ چونکہ پیشاب کا عارضہ تھا اس لیے عموماً شب میں چند مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ پانی بھی نہایت سرد ملتا تھا مگر خدا کے فضل و کرم سے باوجود ان سب امور مخالف طبع کے کوئی تکلیف مولانا کو روگیٹ کیمپ کے ایک ماہ قیام میں مرض وغیرہ کی نہیں ہوئی۔

ریشمی خطوط

ریشمی خطوط کے افشا، رولٹ مشن کی تشکیل اور اس کی برصغیر آمد، رولٹ ایکٹ کے نفاذ اس برطانوی مارشل لاء کے خلاف احتجاجی تحریک کے دوران جلیانوالہ باغ امرت سر اور قصبہ خوانی بازار پشاور کے انسانیت کش واقعات نے پہلی جنگ عظیم کے فاتح برطانیہ کی جابرانہ اور قاھرانہ روش کو عیاں کر دیا تھا۔ جنگ عظیم میں ترکوں اور جرمنوں کی شکست کے بعد بدلے ہوئے عالمی حالات قائدین برصغیر سے تقاضہ کر رہے تھے کہ سنجیدہ غور و خوض کے بعد ''مد مقابل کی طاقت'' اور ''اپنی کمزوریوں'' کا درست ادراک'' کرتے ہوئے نئ حکمتِ عملی تیار کریں۔

مؤرخ ملت حضرت مولانا سیّد محمود میاں رحمہ اللہ نے اپنی شہرت آفاق کتاب ''علمائے ھند کا شاندار ماضی'' جلد۵ باب نہم میں ''لائحہ عمل کی تبدیلی'' کا عنوان دے کر اس صورت حال پر بحث کی ہے۔ حضرت کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی تبدیل شدہ پالیسی کے علی الرغم آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ حضرت مولانا محمد میاں رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ایک عام پروپیگینڈا ہے کہ علماء آیاتِ جہاد کو بھول گئے'' وغیرہ وغیرہ

''علمائے ملت نے اس راستے کو نادانی یا بزدلی یا غفلت سے اختیار نہیں کیا''

نئے عہد کا آغاز

مفتی اعظم کا طرز عمل

ہم نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی آخری زندگی کے طرزِ عمل اور افکار پر آئندہ صفحات میں ایک جامع بحث پیش کی ہے اس بحث کا تعلق حضرت کے دو اہم خطبات سے ہے خطبہ جمعیۃ علماء ہند اجلاس دوم، صدارتی خطبہ افتتاحی تقریب نیشنل کالج (جامعہ ملیہ) آئندہ صفحات میں ہم حضرت رحمہ اللہ کے یہ دونوں خطبات من وعن شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ مگر پہلے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے چہیتے شاگرد مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ کا ایک مختصر تعارف:

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دھلوی رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد تھے آپ بہت سنجیدہ، ذہین، ٹھنڈے دماغ سادہ طبعیت کے انسان تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جب سیاسی معاملات میں کسی لیڈر سے گفتگو کرتے تو فرماتے

"کہ ہمارے کفایت کو بلاؤ"

ایک شاگرد نے کہا حضرت ہم بھی آپ کے ہمراز اور خادم ہیں۔

حضرت نے جواب دیا

"ہاں بے شک تم لوگ سیاست دان ہو لیکن مولوی کفایت اللہ کا دماغ سیاست ساز ہے"

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی گرفتاری کے بعد کے انتہائی نازک اور خطرناک دور میں مفتی کفایت اللہ آگے بڑھے۔ دسمبر 1916ء میں مسلم لیگ کے میثاق لکھنو کے بارے میں آپ نے محسوس کیا کہ اس میثاق میں مسلم لیگ نے بعض جگہ ٹھوکریں کھائیں ہیں آپ رحمہ اللہ نے آواز اٹھائی اور اس کی خامیوں کی نشاندہی کی چنانچہ برصغیر کے مسلمانوں نے میثاق لکھنؤ کو ناقابل قبول سمجھا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے برطانوی وزیر ہند کی آمد پر کمال جرأت وبہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکومت خودمختاری کے مطالبے پر مشتمل پمفلٹ شائع کیا۔ یہ حضرت مفتی کفایت اللہ ہی تھے جنہوں نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی گرفتاری کے بعد کے بدلے ہوئے حالات کا مکمل ادراک کرتے ہوئے رائے عامہ کی بیداری کے ذریعہ انقلاب کی

روح پھونکنے کا نہ صرف عزم کیا بلکہ اس عظیم مقصد سیاسی جدوجہد کیلئے مکمل منصوبہ بندی کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کی تشکیل کا ڈول ڈالا۔ جمعیۃ علماء کا پہلا اجلاس امرتسر میں ہوا جس میں آپ کو صدر چنا گیا اور جمعیۃ کے اغراض و مقاصد تیار کئے گئے۔ یہ اغراض و مقاصد مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ نے تیار کئے۔

رولٹ ایکٹ کے خلاف احتجاجی تحریک کے علاوہ تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے دوران مفتی کفایت اللہؒ کے گھر بڑے بڑے لیڈروں کے مشاورتی اجلاس ہوئے تھے آپ کے رفقاء حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی جوہر، کی حتیٰ الامکان کوشش تھی کہ آپ گرفتار نہ ہوں کیونکہ پس منظر میں آپ پوری جدوجہد کے روح رواں تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی مالٹا سے واپسی، رہائی اور نئی حکمتِ عملی:

جب ۱۵ مارچ ۱۹۲۰ء کو ساڑھے تین سال کے بعد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی مالٹا جیل سے رہائی کا حکم جاری ہوا، اور ۲۸ جون ۱۹۲۰ء کو آپ ہندوستان پہنچے تو بمبئی کی بندرگاہ پر ہزارہا آزادی کے متوالوں نے آپ کا پرجوش استقبال کیا، اس کے بعد خلافت کمیٹی کی جانب سے آپ کی خدمت بابرکت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا اور آپ کو شیخ الہند رحمہ اللہ (The Supreme Leader of India) کا خطاب دیا گیا جو اسم گرامی کا ایک جزو بن گیا۔ ہندوستان واپسی کے وقت اگرچہ آپ کی صحت حد درجہ گر چکی تھی لیکن مشاغل کا انہماک آپ کو چین نہ لینے دیتا تھا۔ جسم و جان کو ہلا دینے والی اذیت ناک قید کے بعد آپ کی سوچ اور جذبہ عمل کیا تھا؟ اس بابت حضرت مولانا حسین احمد مدنی نقش حیات میں تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اس لمبی مدت کی قید کی مشقتیں برداشت کر کے ہندوستان آئے تو ان کے جذبہ حریت میں کوئی کمزوری یا کمی نہ تھی، بلکہ ہندوستانی مارشل لاء رولٹ ایکٹ مجریہ ۱۹ مارچ ۱۹۱۹ء کے کالے قانون کے خلاف ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر میں ایک جلسہ ہوا، جس پر انگریز نے گولی چلائی اور چار سو کے قریب لوگ شہید ہوئے، یہ اور اس جیسے اور واقعات اور ترکی مملکت کی تقسیم اور معاہدہ میسورے اور ترکوں کے ساتھ انتہائی بے انصافیوں نے اس آگ کو اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ بمبئی میں اترتے ہی مولانا شوکت علی مرحوم رحمہ اللہ اور خلافت کمیٹی کے ممبروں وغیرہ سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی ملاقات ہوئی، مولانا عبدالباری

فرنگی محلی رحمہ اللہ لکھنؤ سے اور مہاتما گاندھی احمد آباد سے، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے استقبال کے لئے تشریف لائے، ان سے نیز دوسرے لیڈروں سے خلوت اور جلوت میں حالات حاضرہ پر باتیں ہوئیں، اس موقع پر آپ نے عدم تشدد کا پروگرام ہندوستان کے آزاد کرانے کے لیے ضروری قرار دیا۔ (نقش حیات ص نمبر 667 مالٹا سے واپسی اور بمبئی اترنے کے درمیان بحری جہاز پر ہی ایک اہم واقعہ)

اسی طرح جب تحریک ترک موالات شروع ہوئی، تو آپ نے خلافت کمیٹی اور کانگریس کی متعین کردہ راہ کی حمایت میں ایک مفصل فتویٰ دیا۔

بسترِ مرگ پر ایک شخص فانی کا یہ بے پناہ جذبہ عمل

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو پوری زندگی دینی فکر کے احیاء اور آزادی ہند کے مشن سے جو عشق تھا، اس کا ان کے آخری دور کے حوالہ سے مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ نے مؤثر انداز میں نقشہ یوں کھینچا ہے۔

''حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ ہندوستان تشریف لائے تو مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپ کو جوڑوں کے درد کا قدیم زمانہ سے عارضہ تھا۔ کثرت بول کی شکایت بھی پرانی تھی۔ اس پر مالٹا کا سرد موسم اور مزید براں حضرت والا کی شب بیداری، ریاضت اور قلت غذا، اس کے ساتھ پیرانہ سالی اور پھر ترکوں کی شکست اور اپنی جدوجہد کی ناکامی کا صدمہ، ان تمام اسباب کی بناء پر گویا مرض الموت کا سلسلہ مالٹا ہی سے شروع ہو گیا تھا، پھر تقریباً تین ماہ تک راستے کی مشقت اور ہندوستان پہنچنے کے بعد خلقت کا ہجوم، تحریک کی ترقی، مشاغل کی کثرت وغیرہ یہ سب چیزیں اضافہ مرض کا سبب بنتی ہیں۔ انتہا یہ کہ آپ کو ٹی بی ہو گئی، مگر درحقیقت اس شیخ طریقت اور شیخ سیاست کی ہمت واستقلال، ہر ایک مسلمان بلکہ ہر ایک انسان کے لیے سبق آموز ہے کہ تپ دق کی آخری سٹیج سے چلنا پھرنا تو درکنار بیٹھنا بھی ممکن نہیں، مگر اس حالت میں بھی تحریک کی قیادت کی جا رہی ہے۔ اجلاسوں کی شرکت کے لیے سفر ہو رہا ہے۔ صدارت فرمائی جا رہی ہے۔ العظمۃ للہ، عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ بستر مرگ پر ایک شخص فانی کا یہ بے پناہ جذبہ عمل''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی آخری دور کی حکمت عملی

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنے آخری دور میں تحریک آزادی کی حکمت عملی کو بالکل ایک نیا رخ دیا، جو اسلام کے عہد اول کی پیروی بھی تھی اور روح عصر کا تقاضا بھی تھا۔ آخری دور کی حکمت عملی کے نمایاں پہلو۔

عدم تشدد کی حکمت عملی

سیاسی حکمت عملی

عصری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کی تربیت

عدم تشدد کی حکمت عملی:

مالٹا قید سے پہلے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تحریک آزادی کو کچھ عرصہ مسلمہ بین الاقوامی اصول کے تحت اس دور کی عالمی اسلامی طاقت کے تناظر مین مسلح جدوجہد کے طریقے پر چلاتے رہے تھے، لیکن مالٹا سے واپسی کے وقت حالات بدل چکے تھے۔ اب مسلح جدوجہد کے طریقے کو اختیار کئے رکھنا نقصان دہ تھا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ برطانیہ جنگ عظیم سے فارغ ہو چکا تھا اور برطانوی حکام کے تکبر اور غرور کا پارۂ حرارت انتہاء کو پہنچا ہوا تھا، جس میں امریکہ کی ہمنوائی شامل تھی انہیں یقین تھا کہ تشدد کے ذریعے ہندوستانی عوام کے جذبہ آزادی اور سیاسی سوچ کو وہ دبالیں گے جبکہ ہندوستانی لوگ معاشی لحاظ سے پہلے کی نسبت بہت دباؤ میں تھے۔ سابقہ حکمت عملی میں ترکی سلطنت کے تعاون کا عنصر بھی شامل تھا جو کہ اب موجود نہ رہا تھا اس بناء پر اسارت مالٹا کے بعد اگلے دور کی حکمت عملی طے کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے عدم تشدد کو بنیاد بنایا جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور میں ملتی ہے، ان دنوں آپ سے جو اہم قومی لیڈر ملے ان کو بھی آپ نے اپنا ہمنوا پایا، یہ سب راہنما عدم تشدد کی

حکمت عملی پر یکسو ہو گئے، اس حوالہ سے بھی آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا، جس سے تحریک مزاحمت کو زبردست تقویت ملی، عدم تشدد کی حکمت عملی آپ نے کیوں اختیار کی، اس حوالہ سے جمعیت علماء ہند کے اجلاس دوئم میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا صدارتی خطبہ وجہ جواز بیان کرتا ہے۔آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آج احتجاج اور مطالبہ حقوق کے میدان صرف مظاہروں کے پلیٹ فارم ہیں، خلوتیں اور تنہائی کی راتیں اس کے لیے کافی نہیں ہیں، اگر موجودہ زمانہ میں توپ، ہوائی جہاز کا استعمال دشمنوں کے مقابلہ کے لیے جائز ہوسکتا ہے۔ (باوجودیکہ قرون اولی میں یہ چیزیں نہ تھیں) تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں بھی شک نہ ہوگا کیونکہ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کے لیے جن کے ہاتھ میں بندوق، ہوائی جہاز نہیں، یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔

عدم تشدد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ہندوستان کے بابائے قوم مہاتما گاندھی نے بھی کہا تھا کہ

''عدم تشدد بزدل آدمی کا کام نہیں یہ بہادروں کا کام ہے''۔

(آپ بیتی باچہ خان ص189)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنے آخری دور میں سابقہ تجربات کی روشنی میں نیز تبدیل شدہ عالمی منظر نامہ میں کہ قومی بنیادوں پر ریاستیں وجود پذیر ہو رہی ہیں، آئندہ کے لیے عدم تشدد کی حکمت عملی لازم قرار دے دی تھی۔ آج کل تشدد پسندی کو فروغ دینے والے زعماء کو، باچہ خان کے اس تبصرہ پر ضرور غور کرنا چاہیے، وہ کہتے ہیں: انگریز کہا کرتے تھے

''عدم تشدد پر کاربند پٹھان، تشدد کے دیوانے پٹھانوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔'' (آپ بیتی باچہ خان ص 140)

قومی سیاسی حکمت عملی

تحریک ریشمی رومال کی کامیابی کا بڑا انحصار بیرون ہند بالخصوص سلطنت عثمانیہ کی اخلاقی اور عسکری حمایت پر تھا لیکن جب انگریز نے سلطنت عثمانیہ کو تار تار کرنے کے منصوبہ پر عمل درآمد کا آغاز کیا اور شریف مکہ کو ساتھ ملا کر مرکز خلافت سے بغاوت کروادی تو ترکی کے

لئے اپنے حالات کو سنبھالنا مشکل ہو گیا چنانچہ دنیا کے بدلے ہوئے حالات کے تناظر میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب ہمیں اپنی قومی آزادی کی جنگ، اپنے بل بوتے پر لڑنی ہوگی، اب باہر سے کوئی بھی ہماری مدد کو نہ آسکے گا۔

اس صورتحال کو پہلی جنگ عظیم نے پیدا کیا تھا، اب ہر قوم اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہی تھی، کیونکہ اس جنگ عظیم کے پیچھے سامراجی ممالک کا بڑا مقصد خطوں اور جغرافیوں کی بندر بانٹ تھا اور وہ ایشیاء، افریقہ پر پل پڑے تھے، ایسے عالم میں کسی ملک کیلئے دوسروں کی مدد کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس بناء پر شیخ الہند رحمہ اللہ کی نگاہ بصیرت ترکی کو پہلے کی سی قوۃ کے ساتھ نہیں دیکھ رہی تھی، ترکی خلافت اپنے آخری دموں پر تھی اور وہ اپنا بین الاقوامی کردار ادا کرنے کے لائق نہ رہی، اقوام اور ممالک کے باہمی رشتے ایک نئے سانچے میں ڈھلنے جا رہے تھے، اس بناء پر ہندوستان اور ترکی خلافت کا پرانا باہمی رشتہ قائم نہ رہ سکتا تھا۔ ان بدلے ہوئے حالات میں ترکی، ہندوستان کی پشت پر کھڑا نہ ہو سکتا تھا، یہ سب تغیرات زمانہ شیخ الہند رحمہ اللہ کی نگاہ میں تھے، بعد کے حالات نے شیخ الہند رحمہ اللہ کی رائے پر صاد کر دیا۔ ترکی کے حصے بخرے کر دیئے گئے، اسی کے ساتھ بعد کے حالات نے دوسرے ممالک کے مسائل میں مداخلت کو بین الاقوامی جرم قرار دے دیا۔ اس بناء پر ضرورت تھی کی تحریک آزادی کو خالص قومی بنیادوں پر چلایا جائے۔ اس کے لئے آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی دور کا میثاق بطور نمونہ عمل موجود تھا۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ، جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دوم میں اپنی اختتامی تحریر میں فرماتے ہیں کہ:

> "کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد (آزادی) کے حصول میں مؤید (معاون) بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق واجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج (نتیجہ خیز) سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائدین (رہنماؤں) نے کی ہے اور کر رہے ہیں، اسکی میرے دل میں بہت قدر ہے،

کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دے گی ، ادھر دفتری حکومت (انگریز) کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی ہماری بداعمالیوں سے حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ کر رہے گا، اس لئے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر (ہندو مسلم) بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو (بھی) ملا کر تینوں اگر صلح و آشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم (جیسے انگریز اور آج کل امریکہ) خواہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو، ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو اپنے جبر و استبداد سے شکست کر سکے (دے سکے) گی۔"

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی نظر میں قومی ہم آہنگی اور سماجی مفاہمت کی حکمت عملی کو محض سیاسی داؤ پیچ تصور کرنے کی بجائے پائیدار بنیادوں پر قائم رہنا ضروری ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"میں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو اگر آپ خوشگوار اور پائیدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دل نشین کر لیجئے اور وہ حدود ، وہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے، جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنی امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو"۔

"مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنے کیلئے اپنے مذہب کی حد سے گزر جاتے ہیں لیکن محکموں اور رابواب معاش (سماجی و معاشی معاملات) میں ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں"۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے مزید فرمایا ''اگر فرض کرو، ہندو مسلمان کے برتن سے پانی نہ پیئے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کندھا نہ دے تو یہ ان دونوں کے اتفاق کیلئے مہلک نہیں، البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائیاں اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دیکھانے کی وہ کوششیں جو انگریزوں کی نظر میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں، اتفاق کے حق میں سم قاتل (جان لیوا زہر) ہیں۔

عصری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کی تربیت اور ان کا کردار:

برعظیم ہند پر قبضہ کے بعد انگریز نے کئی ایسی تدابیر اختیار کیں جس نے اجتماعی سوچ اور قومی وحدت کو بہت نقصان پہنچایا۔ اپنی حقیقی مخالف قوت جماعت علماء حق کو غیر مؤثر کرنے کیلئے انگریز نے گریجوایٹ نوجوانوں کو علماء حق سے متنفر اور دور کرنا شروع کر دیا۔ انگریز نے ہندوستان میں اسلام کے حقیقی مبلغ دارالعلوم (دیوبند) کے مقابلہ میں مغربی رجحانات والا اسلامی مدرسہ (علی گڑھ) قائم کیا۔ یہ صورتحال برقرار رہتی تو مستقبل میں قومی آزادی کی تحریک کی کامیابی کا تصور بھی نہ کیا جاسکتا تھا، اس دوری اور منفیت کا ختم کیا جانا ضروری تھا اسی بناء پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی حکمت عملی آغاز سے یہ رہی کہ جدوجہد آزادی میں علماء کے شانہ بشانہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو شامل ہونا چاہیے، چنانچہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری رحمہ اللہ، حکیم اجمل خان رحمہ اللہ، مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ، مولانا حسرت موہانی رحمہ اللہ، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور خان عبد الغفار خان جیسے لوگ آپ کی جدوجہد کے ساتھ رہے، حتی کہ جمعیۃ الانصار کے اجتماع عام میں آپ کی دعوت پر علی گڑھ کالج کے اکابر نے شرکت کی تھی مگر اب حالات اس سے کہیں آگے کا تقاضا کر رہے تھے اور شیخ الہند رحمہ اللہ اپنے نور فراست سے دیکھ رہے تھے کہ آج کے دور کی اہم قوت کالج گریجوایٹ ہے اور مستقبل میں نظاموں کے بنانے اور بگاڑنے میں ان کا کلیدی کردار ہوگا۔ اس بناء پر آپ اس طاقت کی طرف متوجہ ہوئے اور ان نوجوانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے طریقے ڈھونڈنے شروع کیے، چنانچہ جب تحریک ترک موالات کا اثر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ پر پڑا، تو انہوں نے ایک آزاد نیشنل یونیورسٹی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا اور شیخ الہند رحمہ اللہ کو اس کا صدر بنانے پر اصرار کیا تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس

دعوت کو بلا تأمل قبول کر لیا اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ باوجود سخت علالت اور نقاہت کے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے افتتاح کے لئے علی گڑھ تشریف لے گئے، بیماری کی بناء پر خدام نے شرکت سے روکنا چاہا تو فرمایا کہ:

''اگر میری صدارت سے انگریز کو تکلیف ہوگی تو ضرور شریک ہوں گا''

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علی گڑھ اس حالت میں تشریف لے گئے کہ ڈولی میں پڑ کر جلسہ گاہ تک پہنچے، چند منٹ بیٹھ کر خطاب کرنا بھی مشکل تھا۔ مختصر سا خطبہ صدارت املاء کروایا، جسے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے پڑھ کر سنایا۔ اس خطبہ کا ایک ایک لفظ آپ کی سیاسی بصیرت، دور اندیشی اور ملی بہی خواہی پر گواہ اور آپ کی پرعزم سوچ کا آئینہ دار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خطبہ کے الفاظ محض مبارک جذبات کا اظہار نہیں بلکہ اگلے دور کی حکمت عملی کے خدوخال متعین کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے خطبہ صدارت کے چند الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں آپ کی دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ میں اپنی گمشدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی سوچ اور طرز عمل کا اثر ان طلباء اور انتظامیہ پر ایسا ہوا کہ اس گہری عقیدت اور محبت کی نشانی آج بھی دیکھی جاسکتی ہے چنانچہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی ویب سائٹ کے سرورق پر پہلا نمایاں نام حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کا ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

درد کے غم خوار:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اپنے خطبہ میں مزید فرماتے ہیں:

''اے نونہالان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم، سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں، تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔ کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم

بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے"۔

ے وِدش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زد　　　گل آدم بسر شتد و بہ پیمانہ زدند

ساکنان حرم سرعفاف ملکوت　　　بامن راہ نشین بادہ مستانہ زدند

شکرایزد کہ میان من واو صلح فتاد　　　حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

جنگ ہفتا دودو ملت ہمہ راعذر　　　چوں نہ دیدند حقیقت راہ افسانہ زدند

"گزشتہ رات میں نے دیکھا کہ فرشتے میخانہ میں باتیں کر رہے تھے، آدمی کی مٹی گوندھ رہے تھے اور اس کا پیمانہ بنا رہے تھے، پاکدامنی کے رازداں حرم کے باسی فرشتے میرے ساتھ راہ پر بیٹھے شراب مستی چھلکا رہے تھے، شکر ہے خدا کا کہ اس نے میرے اور ان کے درمیان صلح کرادی، چنانچہ حوریں رقص کرتے ہوئے شکرانہ کے طور پر ساغر انڈیل رہی تھیں، بہتر فرقوں کی لڑائی کا بہانہ رہنے دو، جب لوگ حقیقت نہیں دیکھتے تو افسانہ کے راستے پر چل پڑتے ہیں (یعنی مدرسہ اور کالج کا اختلاف محض ایک افسانہ ہے ورنہ یہ دونوں اعلیٰ مقاصد کے لیے) شیر وشکر ہو جاتے ہیں۔"

آج بھی یہ تقاضہ شدت سے ابھر رہا ہے کہ ہمارے زعماء، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ان خیالات کی روشنی میں اپنے جاری طرز عمل کا جائزہ لے کر عصری حکمت عملی کی طرف توجہ دیں۔

ے خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اسلام رہبانیت سے انکار کرتا ہے:

دین حق جامع تصور حیات کا حامل ہونے کی بناء پر دین ودنیا دونوں میں بھر پور، فعال اور کامیاب طرز عمل اپنانے کو پسند کرتا ہے۔ قرآن حکیم اور سیرت طیبہ میں جہاں اللہ اور اس کے بندے کے درمیاں مضبوط رشتہ کے قیام پر رہنمائی ملتی ہے وہیں انسانوں کے باہمی

تعلقات، معاملات اور حقوق کی ادائیگی پر بھی برابر زور دیا گیا ہے۔ سماجی اور اجتماعی ذمہ داریوں سے فرار کی راہ اختیار کرنے والوں کو دین اسلام میں ناپسند کیا گیا ہے، اسی بناء پر اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ظلم پسند نظاموں میں ردعمل سے بچنے کیلئے حکمرانوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر فرد کو اس کی ذات کے خول میں بند کر دیا جائے اس کو خودغرض بنا کر اجتماعی ذمہ داریوں کے نبھانے سے باز رکھا جائے اور مذہب کا ایسا تصور پیش کیا جائے جو اس مذہب کے حامل لوگوں کو چند مذہبی اعمال تک محدود رکھ کر اسی مذہبی حیثیت میں مطمئن رکھنے کے ساتھ، موجود باطل اور ظالم نظام کے مقابل جدوجہد سے کنارہ کش اور بیگانہ رکھے۔ یہ صورتحال حکمران طبقہ کے لئے فائدہ مند اور دین کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے اس لئے ہر دور کے علماء حق حکمرانوں کی سازشوں سے بچنے کو کہتے رہے ہیں اور ایسی اجتماعیت گریز سوچ اور جدوجہد سے جی چرانے والے لوگوں کو اجتماعیت میں لانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

برعظیم پاک وہند میں انگریز نے اپنے ظلم کے شکنجے کو مضبوط رکھنے کیلئے ایسی سوچ کو رواج دیا جو ذاتی نیکی اور انفرادیت پسندی پر مبنی ہو، اس سوچ اور رویئے کا فائدہ سراسر انگریز کو تھا اور جدوجہد آزادی میں سرگرم علماء ربانی کو مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا تھا اس لئے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے حقیقی صورتحال کو واضح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی چنانچہ جمعیت علماء ہند کے اجلاس دوئم ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کے صدارتی خطبہ میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے جمعیت کے مقاصد کی وضاحت اور بھرپور تائید کرتے ہوئے مذہب کے محدود تصور کی سختی سے نفی کی، جس کے تحت مذہب صرف چند رسوم کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے اور معاشرتی معاملات سے الگ تھلگ اور بنیادی اصلاح احوال سے مایوس ہو کر اپنے خول میں بند رہنے کی تلقین کرتا ہے، چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی، سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل ومکمل نظام رکھتا ہے جو لوگ کہ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھ رہنے

کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لیے کافی سمجھتے ہیں ، وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں۔ان کے فرائض صرف نماز ، روزہ میں منحصر نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے''۔

آپ نے مزید فرمایا:

''جماعت علماء جو حقیقتاً مسلمانوں کے مذہبی قائدین ہیں ان کا فرض ہے کہ اس وقت موقعہ کی نزاکت اور اہمیت کو نظر انداز نہ کریں ، آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر اصل مقصود کو خراب نہ کریں ، ورنہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی تمام تر ذمہ داری انہیں پر عائد ہو گی۔علمی تدقیقات کیلئے آپ کے واسطے بہت سے میدان کھلے ہوئے ہیں ،عبادت وریاضت کے لیے بہت سی راتیں آپ کو بلاشرکت غیرے حاصل ہیں ،مگر جو کام کہ جبل احد اور میدان بدر میں ہوا وہ مسجد نبوی ﷺ جیسی مقدس جگہ کے مناسب نہ تھا''۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تاسیسی اجلاس میں فرمایا:

''بہت سے نیک بندے ہیں ،جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے ،لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا اٹھو ، اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف وہراس مسلط ہو جاتا ہے۔خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامان حرب وضرب کا۔''

''حالانکہ ان کو سب سے زیادہ جاننا چاہیے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے ،اور دنیا کی متاع قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی''

چنانچہ اس قسم کے مضمون کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اشارہ فرمایا ہے

الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ ج فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون

الناس كخشية الله او اشد خشية ج وقالوا ربنا لم كتبت علينا القتال ج لولا اخرتنا الی اجل قريب ط قل متاع الدنيا قليل ج والاخرة خير لمن اتقی ولا تظلمون فتيلا.اين ماتكونوا يدركم الموت ولو كنتم في بروج مشيدة. (النساء)

''کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی، جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ کو روکو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو یکا یک ان میں سے ایک فریق ڈرنے لگا آدمیوں سے، خدا کے برابر یا اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگا کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا اور کیوں تھوڑی مدت ہم کو اور مہلت نہ دی، کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت اس شخص کے لیے بہتر ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں کہیں بھی تم ہو موت تم کو آدبائے گی اگرچہ تم نہایت مستحکم قلعوں میں ہو۔''

جس دور اور جن لوگوں کے سامنے یہ کلمات کہے گئے ان پر کیا اثرات مرتب ہوئے، اسے تو وہی جانیں، کیا یہ کلماتِ مبارکہ موجودہ حالات میں بھی ہر سلیم الفطرت انسان کے لطیف احساسات کو مہمیز نہیں دے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری موجودہ زندگی میں ارتعاش اور تبدیلی پیدا کرنے کیلئے یہ الہامی الفاظ غور وفکر کا سامان لیے ہوئے ہیں۔

جمعیت علماء ہند کے اجلاس کے اختتامی کلمات میں جمعیت کے اغراض ومقاصد کی توثیق کرتے ہوئے شیخ الہند رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''مجھے یہ معلوم ہو کر نہایت مسرت ہوئی کہ جسم قوم کی روح جماعت علماء نے بعض سیاسی امور میں پھر ایک مرتبہ اپنی زندگی کا ثبوت پیش کیا ہے، جن میں وہ بالکل مردہ سمجھی جارہی تھی اور جن میں اگر وہ مردہ ثابت رہتی تو اسلامی عزت ووقار کا بالکل ہی خاتمہ تھا۔ آپ رنجیدہ نہ ہوں تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کا علم وتدین اگر اب بھی عالم اسلام کے خوفناک مصائب سے آنکھ بند

کیے رکھنے کی اجازت دیتا، تو آج دنیا ہماری غیرت ایمانی اور شرافت انسانی
دونوں کے بیک وقت دفن کیے جانے پر ماتم کناں ہوتی۔"

شیخ الہند رحمہ اللہ کی حکمت عملی کے یہ نمایاں پہلو جو اوپر کی سطور میں ذکر ہوئے ہیں، شیخ الہند رحمہ اللہ کے آخری دور کے فکر وعمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس تفصیل سے یہ بات عیاں ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں دوران تعلیم شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے جذبہ جہاد کی جو امانت حاصل کی تھی اس کی حفاظت، اشاعت اور عملی تشکیل کیلئے آپ اپنی زندگی کے آخری سانسوں تک کوشاں رہے یہ الگ بات ہے کہ حالات کے جبر نے آپ کے منصوبوں کی راہ میں بے شمار پتھر اور کانٹے بچھائے مگر آپ حالات کی ناموافقت کا عذر کر کے تھک کر بیٹھ نہیں گئے

بجا کہ تحریک ریشمی رومال کا منصوبہ اپنی اصل حالت میں حالات کے بدل
جانے سے اگرچہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا لیکن

تحریک شیخ الہند رحمہ اللہ بہر حال جاری رہی البتہ اس کی نوعیت بدل گئی

پہلے یہ قومی آزادی کے لیے خلافت عثمانیہ کے پس منظر میں قومی عسکری تحریک تھی، منصوبہ کی ناکامی کے بعد ایک قومی سیاسی تحریک میں تبدیل ہوگئی اور اس کے ممبران جمعیت علماء ہند، خلافت کمیٹی، مجلس احرار جیسی تنظیموں میں شریک ہو کر آزادی کی سرفروشانہ جدوجہد جاری کیے رہے۔

شیخ الہند رحمہ اللہ کا وصال:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جسمانی طور پر نحیف ونزار اور کمزور تو تھے ہی، مزید برآں مالٹا کے موذی قید خانہ کے قیام نے آپ کی رہی سہی صحت پر بھی اثر ڈالا تھا، آپ مالٹا سے رہا ہو کر جب واپس ہندوستان تشریف لائے تو اس وقت بھی آپ کے جسم میں آزادی کی آگ شعلہ زن تھی اور اس سخت تکلیف کے باوجود آپ ہر، اس کام کو انجام دینے کو تیار تھے جو آزادی کی تحریک میں کسی بھی طرح معاون ہو۔ اس واحد غرض کے لئے آپ نے جامعہ ملیہ کی تاسیس میں اور جمعیت علماء ہند کے اجلاس دوئم میں شرکت فرمائی تھی لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ

مالٹا سے واپسی کے صرف چھ مہینے بعد یہ عظیم لیڈر اور ہندوستانی قوم کا قائد جلیل ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء بروز منگل جمعیت علماء ہند کے اجلاس کے صرف نو دن بعد ڈاکٹر مختار احمد انصاری رحمہ اللہ کے مکان پر یہ کہتے ہوئے اس دار فانی سے رخصت ہو گیا کہ:

''مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں افسوس تو یہ ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں، تمنا یہ تھی کہ میدان جہاد ہوتا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے جرم میں میرے ٹکڑے کیے جاتے''

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس کے بعد بلند آواز سے اللہ اللہ سات مرتبہ کہا۔ آٹھویں مرتبہ آواز بند ہوگئی۔ پاس بیٹھے مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ اور دیگر سورۃ یٰسین پڑھ رہے تھے، جب یہ لوگ اخیر سورۃ پہنچے، تو حضرت نے ذرا آنکھ کھولی اور تصدیق قلبی (دل کے ایمان) کی تائید کے لئے زبان کو حرکت دی اور سورۃ کے آخری کلمات الیہ ترجعون (اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے) کی آواز پر قبلہ رخ ہو کر ہمیشہ کیلئے آنکھ بند کر لی اور سہولت سے سانس منقطع ہو گیا اور آپ کی روح مقدس تمام اہل اسلام کو یتیم و بیکس چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئی اور رفیق اعلیٰ سے جا کر مل گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

سیاسی بصیرت وخدمات کا اعتراف:

شیخ الہند رحمہ اللہ کے وصال پر ملک اور بیرون ملک کے اکابر نے آپ کی سیاسی بصیرت وخدمات کا اعتراف کیا۔ ان تمام بیانات کا احاطہ گو ممکن نہیں صرف چند ایک پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ آزاد افغانستان کے پہلے حکمران امیر امان اللہ خان رحمہ اللہ نے افغانستان کی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

محمود حسن ایک نور ہے جس کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں۔

امیر امان اللہ خان رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی وفات پر نہایت اخلاص سے بے نظیر شان کے ساتھ مجلس فاتحہ خوانی منعقد فرمائی اور اس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''مولانا محمود حسن یک کار را شروع کردند من او را پورا میکنم''

کہ مولانا شیخ الہند نے جس کام کو شروع کیا تھا میں اسے پورا کروں گا۔

مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کے ساتھ سفر کابل میں شریک اور اس فاتحہ خوانی میں موجود مجاہد آزادی حاجی فیض محمد خان رحمہ اللہ اس فاتحہ خوانی کے احوال میں لکھتے ہیں: فاتحہ خوانی میں دعاء کے بعد شاہ امان اللہ خان رحمہ اللہ نے اٹھ کر تقریر کی۔انہوں نے مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

شیخ الہند رحمہ اللہ کی وفات سے مجھے سخت صدمہ پہنچا ہے اور آپ اور دوسرے علماء جن کا مولانا محمود حسن رحمہ اللہ سے گہرا تعلق تھا، میرے دلی ہمدردی کے مستحق ہیں وہ اسلام کی عمارت کے ایک مضبوط ستون کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی وفات سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے وہ شاید کبھی پُر نہ ہو سکے۔

آزاد ہندوستان کے پہلے نائب وزیر اعظم اور وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے جمعیت علماء ہند کے اجلاس سوئم لاہور (۱۸ تا ۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء) میں خطبہ صدارت کے دوران حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی وفات پر کہا:

ان کی وفات بلاشبہ ایک قومی ماتم ہے، مولانا مرحوم ہندوستان کے گزشتہ دور کے علماء کی آخری یادگار تھے، ان کی زندگی اس عہد حرمان وفقدان میں علماء حق کے اوصاف وخصائل کا بہترین نمونہ تھی ان کا آخری زمانہ جن اعمال حقہ میں بسر ہوا وہ علماء ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ستر برس کی عمر میں جب ان کا قد ان کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا تھا، بیت اللہ کے بالکل قریب گرفتار کئے گئے اور جزیرہ مالٹا میں نظر بند رہے۔ یہ مصیبت انہیں صرف اس لئے برداشت کرنا پڑی کہ اسلام وملت اسلام کی تباہی وبربادی پر ان کا خدا پرست دل صبر نہ کر سکا اور انہوں نے حق کے دشمنوں کی خواہشات کی تسلیم واطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا۔ درحقیقت انہوں نے علماء حق وسلف کی سنت زندہ کر دی اور علماء ہند کے لئے اپنی سنت حسنہ یادگار چھوڑ گئے، وہ اگرچہ اب ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی روح عمل موجود ہے اور اس کے لئے جسم کی طرح موت نہیں۔

جماعت شیخ الہند رحمہ اللہ:

شیخ الہند رحمہ اللہ کی وفات کے وقت ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں کئی قسم کی تبدیلیاں

آچکی تھیں۔ان تبدیلیوں کے پیچھے پہلی جنگ عظیم کا بڑا کردار ہے، جو دراصل مغربی مما لک کی حرص وآز کی آگ کا اظہار تھا۔مغربی مما لک دنیا کی لوٹ کھسوٹ کے لئے نئے جغرافیے تشکیل دے رہے تھے۔اس زمانہ مین تمام براعظموں کے جغرافیوں میں اہم تبدیلیاں اسی کا نتیجہ تھیں اورمشرق وسطی میں کراچی جتنے علاقے پر مشتمل مما لک کا قیام اسی شیطانی شرارت کا شاخسانہ ہے۔اسی کے بعد مسلمانوں کے مرکز خلافت ترکی کے حصے بخرے کیے گئے۔جس کے اثرات پوری دنیا بالخصوص مسلمانوں پر بہت زیادہ پڑے۔مسلمانوں کی اجتماعیت منتشر ہوگئی۔ یہ واقعات وحوادث جو دنیا میں پیش آئے، انکے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں اہم اثرات مرتب ہوئے۔ یہ صورتحال نئی حکمت عملی بنائے جانے کا تقاضا کررہی تھی۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی سیاسی تربیت نے علماء اور گریجوایٹس میں ایک ذی شعور حلقہ پیدا کر دیا تھا اورحضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے علاوہ، آپ کے تلامذہ ورفقاء میں کئی شخصیات نے سیاسی فکروعمل میں امتیاز اور رسوخ پیدا کرلیا تھا۔نمایاں مثالوں میں مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ، مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ ،مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری رحمہ اللہ ،مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ ،مولانا محمد صادق سندھی رحمہ اللہ ،مولانا عزیر گل رحمہ اللہ ،مولانا عبد الرحیم پوپلزئی رحمہ اللہ اور ایسے کئی نام لئے جاسکتے ہیں۔

ان میں سے اکثر حضرات تو آپ کے شاگرداور تحریک آزادی کے عظیم رہنماؤں میں سے ہیں لیکن اس عہد کے اکابر سیاست دانوں میں سے کون ہے، جو شیخ الہند رحمہ اللہ کے سیاسی افکار سے مستفید نہیں ہوا،اور جس نے آپ کے عمل وسیرت سے عزیمت واستقامت کا سبق نہیں سیکھا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری رحمہ اللہ اور خان عبد الغفار خان تو آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد واصلاح کر چکے تھے۔حکیم اجمل خان رحمہ اللہ ،مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ ،مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ، مولانا حسرت موہانی رحمہ اللہ ،مولانا شوکت علی رحمہ اللہ ،ڈاکٹر سیف الدین کچلو رحمہ اللہ ،وغیرہ کون ہے جو وقت کے اس سیاسی سورج کے نظام کشش سے آزاد ہواور اپنا الگ مرکز ثقل رکھتا ہو۔

اگرچہ علوم دینی میں دہلی ،لکھنؤ وغیرہ میں بعض دوسرے مراکز نور بھی تھے اور ان کے اپنے الگ الگ نظام قمری تھے لیکن سیاسی روشنی وہ اسی چشمہ نور سے حاصل کرتے تھے۔

سیاست میں انہیں جو پیشوائی اور مقتدائی کا مقام حاصل تھا وہ انہیں شیخ الہند رحمہ اللہ کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ فرنگی محل کے شیخ وقت مولانا عبد الباری رحمہ اللہ، آپ کی بزرگ شخصیت اور سیاسی رہنمائی کے معترف و مداح تھے، مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ نے تبلیغی جماعت کے بانی اور امیر کی حیثیت سے عالمگیر شہرت پائی۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے دست حق پر بیعتِ جہاد کر چکے تھے۔ علمائے لاہور اور لدھیانہ میں سے اکثر ایک الگ فقہی مسلک رکھنے کے باوجود سیاسی میدان میں ان کے رہنما بھی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تھے۔ حاجی ترنگ زئی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء میں سے بالخصوص مولانا سیف الرحمٰن (جو قندھاری افغان ہیں) جیسے غیور مجاہد جنہوں نے آزاد قبائل علاقہ یاغستان میں تحریک آزادی کو جاری رکھا، یہ سب شیخ الہند رحمہ اللہ کے چشمہ فیض سے ہی سیراب ہوئے ہیں۔

جماعت شیخ الہند رحمہ اللہ میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کا نام نامی نمایاں اور امتیازی حیثیت کا حامل ہے، آپ ہمیشہ جماعت شیخ الہند میں کلیدی کردار کے حامل رہے ہیں، چنانچہ جمعیۃ الانصار کی نظامت سے لے کر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ایماء پر نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ادارہ کا قیام اور شیخ الہند رحمہ اللہ کے حکم پر سفر کابل آپ پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے غیر معمولی اعتماد اور بھروسہ کا مظہر ہے۔ انگریز کے چنگل سے نکلنے کے لیے آخری دور میں جمعیت علماء ہند جس کا اگلی سطور میں تذکرہ ہوگا، نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ جمعیت علماء ہند کی یہ اجتماعیت، ثمرۃ التربیت، جمعیۃ الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ کا تسلسل اور نتیجہ تھی۔ ان سب اجتماعیتوں میں امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کا قائدانہ کردار رہا ہے۔ جمعیت علماء ہند کے اکثر رہنما آپ سے قریبی تعلق رکھتے تھے اور پیچیدہ مسائل کے حل میں آپ سے رہنمائی لیتے تھے۔

اس ضمن میں سربراہ جمعیت علماء ہند حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے آپ کا ربط وضبط اصل حقیقت کو اجاگر کرتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اپنی زندگی کے آخری دور میں ''نقش حیات'' لکھتے ہیں، جو آپ کی آپ بیتی کے ساتھ ہندوستان کے سیاسی حالات اور زندگی کے مشاہدات وتجربات پر بصیرت افروز تجزیہ وتبصرہ پر مبنی ہے۔ اس

کتاب میں حضرت مدنی رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہند کی تحریک، آپ کے اعتماد یافتہ مخلص لوگوں اور ان کی گرانقدر خدمات کو ذکر کیا ہے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے بارے میں حضرت مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مولانا عبیداللہ صاحب حضرت شیخ الہند کے خاص فدائی اور نومسلم شاگرد تھے۔ عرصہ دراز تک خدمت میں رہے تھے۔ سمجھ اور حافظہ نہایت اعلیٰ پیمانہ کا اور ہمت واستقلال بےنظیر، قدرت سے عطا فرمایا تھا۔ (نقشِ حیات 555-554)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کی گہری اور مضبوط مناسبت کے ضمن میں ایک جگہ حضرت مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الغرض حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے ان (مولانا سندھی رحمہ اللہ) کو بالکل اپنا ہم خیال اور ہم عمل بنالیا۔ (ایضاً ص 557)

یعنی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور حضرت سندھی رحمہ اللہ فکر وعمل کے لحاظ سے ایک ہو گئے تھے اور دونوں میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔ غور کیا جائے تو حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کے حوالہ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی یہ بہت بڑی شہادت ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کی عملی جدوجہد میں بے مثال قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم آزادی ہند کے نصب العین پر کابل بھیجے گئے جس مقصد اور نصب العین کے لئے اس جلاوطنی کو ان کے واسطے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے مقرر فرمایا تھا وہ پھولوں کی سیج نہ تھی بلکہ نہایت کٹھن اور کانٹوں سے بھری ہوئی وادی تھی جس میں قدم قدم پر موت کا خطرہ اور مصائب کا انبار تھا۔ مولانا موصوف نے جس جوانمردی اور مستقل مزاجی سے ہلاکت سے بھری ہوئی مصیبتوں کو جھیلا ہے اور ملک وطن اور تمام ملت ہندوستانی اور مسلمانوں کے لئے جدوجہد کی ہے وہ صرف ان کا حصہ تھا۔

اس سفر عزیمت کی مشکلات کا تذکرہ کر کے حضرت مدنی رحمہ اللہ، حضرت سندھی رحمہ اللہ کی ثابت قدمی کی بابت یہ گرانقدر جملے تحریر کرتے ہیں:

"مگر انہوں نے مایوسی کو راہ نہ دی اور نہ ان کا قدم ڈگمگایا۔" (ایضاً: ص 597)

مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کا ان پرشکوہ الفاظ میں تذکرہ اس کتاب میں کیا ہے جسے آپ نے حضرت سندھی رحمہ اللہ کی وفات کے تقریباً نو سال بعد ۱۹۵۳ء میں مکمل کیا۔ جس سے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی نظر میں حضرت سندھی رحمہ اللہ کے حقیقی مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ بھی حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں اپنے استاد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے قائم مقام مانتے تھے اور اپنی پختہ رائے کو آپکی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ مکہ مکرمہ سے اپنی واپسی کا اصل سبب بیان کرتے ہوئے خطبہ صدارت اجلاس علمائے صوبہ بنگال منعقدہ کلکتہ میں فرماتے ہیں:

حضرت مولانا حسین احمد میرے استاد شیخ الہند قدس سرہ کے قائم مقام یعنی ثانی شیخ الہند ہیں اگر مولانا حسین احمد میری واپسی کی خواہش ظاہر نہ کرتے تو میں بمشکل اس امر پر راضی ہوتا کہ گورنمنٹ ہند سے واپسی میں سہولت پہنچانے کے لئے درخواست کروں (خطبات ومقالات حضرت سندھی)

الغرض حضرت سندھی رحمہ اللہ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کے باہمی اعتماد کے کئی ایک واقعات ہیں، چنانچہ حضرت سندھی کی برعظیم آمد کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ایک خط میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کو لکھا کہ اپنے بڑے صاحبزادہ مولوی حبیب اللہ کو اپنے ساتھ اور دوسرے بیٹے مولوی عبید اللہ انور کو حضرت سندھی کے ساتھ مامور کریں، جبکہ وہ اس وقت مظاہر العلوم سہارنپور میں زیر تعلیم تھے۔ یوں وہ (مولانا عبیداللہ انور رحمہ اللہ) مختلف اسفار میں ہمراہ رہے۔ اسی طرح حضرت سندھی نے مولانا عبیداللہ انور کو حضرت مدنی رحمہ اللہ سے قلبی ذکر سیکھنے کی ہدایت کی اور ان کو بالآخر دارالعلوم دیوبند میں داخل کرایا جہاں انہوں نے حضرت مدنی سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ (مولانا عبیداللہ انور رحمہ اللہ، از پروفیسر امجد علی شاکر)

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کی مجلس میں حضرت سندھی رحمہ اللہ کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:

"میں نے تو حضرت شیخ الہند سے مولانا عبید اللہ سندھی کی تعریف سنی ہے کہ وہ

بہت مستعد ہیں اور حضرت شیخ الہند ان کی بہت ہی تعریف فرماتے تھے تو اب میرے خیال میں یہ (تجزیہ) ہے کہ مولانا کی بات سمجھنی دشوار ضرور تھی مگر بات صحیح کہتے تھے۔...... حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جس کی تعریف کریں میں تو ان کے متعلق نیک گمان ہی رکھتا ہوں۔(حوالہ ......ارشادات حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری، جمع کردہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری مرتب حضرت مولانا محمد عبد اللہ بکھر ص نمبر 34,35

مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کی وفات پر مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی زیر صدارت جمعیت علماء ہند کے اجلاس (سہارنپور) منعقدہ ۴، ۵، ۶ مئی ۱۹۴۵ء میں یہ تعزیتی قرارداد منظور کی گئی:

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس عام حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی رحمہ اللہ کے انتقال پرملال پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔حضرت مولانا علوم دینیہ کے ایک فاضل جلیل ہونے کے علاوہ تحریک آزادی وطن کے ان مقتدر علمبرداروں میں سے ایک ممتاز فرد تھے جنہوں نے آزادی وطن کے لئے ہر قسم کی بیش بہا جانی و مالی قربانیاں پیش کی ہیں اور اس راہ میں پورے استقلال وثبات قدم کے ساتھ زندگی کے آخری سانس تک نہایت انبساط اور کشادہ دلی کے ساتھ مشغول رہے ان کی وفات سے محبان آزادی وفداکاران ملت ووطن کی صف میں جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا مستقبل قریب میں پر ہونا بظاہر مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کی تربت مقدسہ ''قبر مبارک'' کو اپنی رحمت کی بارش سے سیراب فرمائے۔

واضح رہے کہ اس اجلاس میں مولانا فخر الدین، مولانا احمد سعید سحبان الہند، مولانا محمد میاں، مولانا سید بادشاہ گل سرحدی، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، خان عبد الصمد خان اچکزئی (بلوچستان) مولانا مفتی محمد نعیم اور مولانا عبد الحق سندھی جیسی شخصیات نے شرکت کی۔ (خطبات جمعیت علماءِ ہند از: پروین روزینہ صاحبہ)

جمعیت علماء ہند:

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس دور میں آزادی کی تحریک نے ایک نیا موڑ لیا

تھا اور وہ یہ کہ مسلح جدو جہد کی بجائے ،عدم تشدد اور سیاسی تدابیر کے ساتھ تحریک کو آگے بڑھایا جائے ۔ جماعت شیخ الہند اس صورتحال کا بغور جائزہ لینے کے بعد جمعیت علماء ہند کے نام سے علماء حق کی اجتماعیت کو نئی شکل دیتی ہے ،اس جماعت کے بانیان اور سرکردہ رہنما وہی لوگ تھے جو پچھلے دور میں ثمرۃ التربیت کے قیام سے لے کر تحریک خلافت تک آزادی وطن کی خاطر کردار ادا کرتے رہے ۔

جمعیت کے زعماء کرام عام معنوں میں اور پیشہ ورقسم کے سیاست دان نہیں تھے ، وہ عالم دین تو تھے اور وہ کھلے ذہن اور آزاد فکر کے مالک اور روشن خیال بھی تھے ۔ جمعیت علماء ہند کا وجود ہندوستان میں مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے اتحاد کی علامت تھا ، اس کا قیام کانگریس اور لیگ کے درمیان فکر وتوازن کا نقطہ اعتدال تھا ۔ جمعیت کی تاریخ طویل مدت پر پھیلی ہوئی ہے۔غیر رسمی تاریخ اس کے قیام سے کم وبیش چالیس برس پہلے ۱۸۸۰ء ثمرۃ التربیت کے قیام سے شروع ہوتی ہے۔

جمعیت علماء ہند کے اغراض ومقاصد:

۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء بروز اتوار کو جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں آیا اور اس کا پہلا اجلاس زیر صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمہ اللہ امرت سر میں ہوا ۔ یہ وہ وقت تھا جب پہلی جنگ عظیم کے بھیانک نتائج ہر جگہ محسوس کیے جا رہے تھے ، بالخصوص اہل ہند انگریز کی مکارانہ پالیسیوں اور دھوکوں سے عملاً آگاہ ہو چکے تھے۔ بناء بریں ایک سیاسی بیداری تھی اور پورا ہند تبدیلی کا خواہاں تھا۔شیخ الہند رحمہ اللہ سے وابستہ کئی علماء کانگریس کی قومی آزادی کی تحریک میں شریک تھے ،لیکن علماء نے اس قومی جدو جہد میں شرکت کے ساتھ محسوس کیا کہ مذہبی امور کی حفاظت اور سیاست میں ان کا الگ تشخص قائم رہنا ضروری ہے، اس مقصد کی خاطر جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ جمعیت کے اغراض ومقاصد بنیادی طور پر دو حصوں پر مشتمل ہیں ۔

۱۔ دینی اور مذہبی امور کا تحفظ ۔

۲۔قومی جدو جہد آزادی میں مؤثر کردار۔

جہاں تک پہلے امر کا تعلق ہے ،تو اس حوالہ سے اسلام کے درست اور صحیح نظریات

کی وضاحت، ملت اسلامیہ کی شرعی تنظیم اور محاکم شرعیہ کا قیام، مسلمانوں کو مذہبی، تعلیمی، اخلاقی، معاشرتی امور پر سیاسی رہنمائی دے نا جیسے اہم امور جمعیت علماء ہند کے پیش نظر تھے۔

جبکہ دوسرے پہلو کے لحاظ سے آزادی کے لیے ہر اس قوت اور اجتماعیت سے اشتراک عمل تھا، جو انگریز سے چھٹکارا پانے میں مخلص ہونے کے ساتھ، قومی مسائل کے حل کے حوالہ سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے اصول پر یکسو ہو۔ جس میں مشترکہ مذہبی حقوق کی نگہداشت اور مشترکہ مذہبی وملکی ضروریات مقصود تھیں کیونکہ انگریز مذہبی حقوق میں عدم توازن کے ذریعے فرقہ واریت پھیلا کر اپنا اقتدار مضبوط کررہا تھا، اس بناء پر دین کی روشنی میں صحیح رہنمائی کی ضرورت تھی کہ دینی تقاضوں کے لحاظ اور تکمیل کے ساتھ قومی آزادی کی جدوجہد کو مؤثر انداز سے آگے بڑھایا جائے۔ مذکورہ دونوں پہلوؤں کا بنیادی مقصد دین حق کی روشنی میں ہندوستانی سیاسی، معاشی، سماجی اور مذہبی مسائل کا ایسا حل تھا کہ ہر حقدار کو حق مل جائے اور کسی پر زیادتی بھی نہ ہو۔ (جمعیۃ علماء کیا ہے از مولانا محمد میاں رحمہ اللہ)

معروف ارکان:

اس جماعت کی خصوصیت یہ تھی کہ ہندوستان کے ہر اہم علاقہ اور صوبہ کو نمائندگی دی گئی تھی اور اس میں ہر طبقہ فکر اور خواص کو شامل کیا گیا تھا، البتہ عام مسلمین کو اعزازی ممبر بنایا گیا تھا، اس جماعت کے معروف ارکان یہ تھے۔ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، امیر شریعت مولانا محمد سجاد رحمہ اللہ، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ، مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ، حکیم محمد اجمل خان، مولانا عبدالماجد بدایونی رحمہ اللہ، مولانا محمد معین الدین اجمیری رحمہ اللہ، مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمہ اللہ، علاقائی نمائندگی کے حوالہ سے دیگر معروف ارکان یہ تھے:

ممالک متحدہ آگرہ اودھ سے: مولانا محمد فاخر رحمہ اللہ الہٰ آبادی، مولانا محمد سلامت اللہ، مولانا حسرت موہانی رحمہ اللہ، مولانا مظہر الدین رحمہ اللہ۔ بنگال سے: مولانا منیر الزماں رحمہ اللہ، مولانا محمد اکرم خان۔ بہار سے: مولانا رکن الدین دانا رحمہ اللہ، مولانا خدا بخش رحمہ اللہ۔

سندھ سے: مولانا عبد اللہ، مولانا محمد صادق، مولانا پیر تراب علی۔ پنجاب سے: مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، بمبئی سے: مولانا عبدالمنعم، مولانا سیف الدین، حکیم ابو یوسف اصفہانی، برصغیر کے مختلف گوشوں کی

خانقاہوں میں موجود صوفیاء و اتقیاء کی ایک بڑی تعداد تحریک شیخ الہند میں شامل تھی بعد ازاں یہی لوگ جماعت شیخ الہندؒ کے مؤید اور معاون بنے اِسی طرح مختلف علاقوں میں عوامی روابط اور بلند معاشرتی کردار کے حامل علماء اور عوام بھی حضرت کی تحریک، اور جماعت کا حصہ بنے ،مولانا عزیر گل، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری،مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوری،مولانا تاج محمود امروٹی، مولانا عبداللہ نقشبندی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد احمد چکوالی، میر بادشاہ سرحدی، مولانا مفتی محمود عبدالخیل، مولانا ابوسعد احمد خان نقشبندی کندیاں، مولانا احمد خان موسیٰ زئی شریف، شیخ عبدالرحیم سندھی، مولانا مقبول الرحمٰن مانسہروی، مولانا عبداللہ لغاری، مولانا خلیل احمد کشمیری، مولانا عجب نور بنوں، مولانا حبیب گل ٹل، مولانا محمد عمر بڑنگ آباد رحمۃ اللہ علیہم

خطبۂ صدارت

؟

اما بعد خاکسار ذرۂ بے مقدار حضرات علمائے کرام ومعززین اہل اسلام و برادران وطن کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ آپ حضرات نے مجھ جیسے ناچیز وضعیف کو جس عظیم الشان خدمت کے لئے منتخب فرمایا ہے میں اس کے لئے آپ کی محبت وعزت افزائی کا دل سے شکر ادا کرنے کے ساتھ ہی یہ التماس کرتا ہوں کہ صدارت کی ذمہ داری کی اہمیت اور زمانہ حاضرہ کی ہوش رُبا کش مکش موت وحیات پر نظر کرتے ہوئے میں اپنی گزشتہ پنج سالہ قید غربت

اور اب موجودہ ممتد علالت کے سبب سے صدارت کی خدمت سے اپنے آپ کو قاصر پاتا ہوں۔ کیونکہ ایسے نازک اور پرخطر زمانہ میں کسی عظیم ملی اور قومی اجتماع کی صدارت کے لئے ضروری تھا کہ صدر تمام جزئیات سے واقف ہو اور نہ تھکنے والی دماغی قوت اور نہ متزلزل ہونے والی قلبی عزیمت اور نہ سست ہونے والی اعضاء وجوارح کی طاقت رکھتا ہو۔ بایں ہمہ آپ حضرات نے مجھے ایک دینی وقومی خدمت کے لئے نامزد اور منتخب کردیا۔ تو میرے لئے سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ بنام خدا اس کے لئے سر تسلیم خم کردوں اور خدا کی تائید پر بھروسہ کر کے خدمت اسلام واہل اسلام کے لئے تیار ہو جاؤں۔

معزز حاضرین: میری اس عاجزانہ التماس پر پوری توجہ مبذول فرمائیں کہ کئی مہینے کی ممتد علالت کی وجہ سے مجھے پورے اطمینان وغور وخوض کا موقع نہیں ملا ہے اس لئے اگر معروضات میں کسی قسم کی کوتاہی ہو مضامین منتشر ہوں تو میرے واقعی عذر کو پیش نظر رکھتے ہوئے معاف فرمائیں۔

محترم حاضرین: آج جس اجلاس میں آپ تشریف فرما ہیں اور طویل وعریض سفر برداشت کر کے شریک ہوئے ہیں یہ وہ مقدس اجتماع ہے جس کا سنگ بنیاد بحکم (۱) **وشاورھم فی الامر۔** (۲) **وامرھم شوریٰ بینھم** (۳) **وتناجوا بالبر والتقویٰ** رکھی گئی ہے یعنی حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو یہی حکم فرمایا کہ اپنے اصحاب کرام سے مشورہ فرمایا کریں اور پھر مسلمانوں کی شان بھی یہی بیان فرمائی کہ وہ اپنے امور کا آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کرتے ہیں جس سے صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کے تمام کام بالخصوص ایسے کام جن کا مسلمانوں کی تمام جماعت سے تعلق ہے آپس کے مشورے سے ہونے چاہیں یہ حکم تو ایسے جلسوں اور اجتماعوں کے جواز کی بنیاد ڈالتا ہے جو بغرض مشورہ منعقد کیے جائیں اور ارشاد ''تناجو بالبر والتقویٰ'' ان اجتماعوں کی نوعیت کو مقید کرتا ہے یعنی مجالس مشاورت کا نیکی اور خوف خدا پر مبنی ہونا لازم ہے پس تمام ایسے جلسے جن کا مقصد دین مقدس کی حمایت وحفاظت ہو اور جن میں نیکی اور بھلائی کے طریقوں پر غور کیا جائے اور جن میں خدائے قدوس کا خوف شامل حال رہے منعقد کرنا اور ان میں شریک ہونا حکم خداوندی کی

تعمیل اور سنت نبویہ ﷺ کی اقتداء ہے۔

چونکہ دور حاضر میں دشمنان اسلام نے مقامات مقدسہ کو غصب کر کے اقتدار خلافت کو پامال کر کے مسلمانوں کے واجب الاحترام جان و مال سے زیادہ عزیز مذہب کی توہین کی اور ان کے دینی بھائیوں کی جان و مال عزت و آبرو کو برباد کیا اس لئے تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر فرض ہوگیا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کی نصرت واعانت اور اپنے پاک اور مقدس مذہب کی حفاظت اور اعدائے اسلام کی مدافعت کے لئے کھڑے ہو جائیں اس فرض میں چین، جاوہ، ہندوستان، افغانستان، ترکستان، بخارا وغیرہ کے مسلمان برابر ہیں کسی کی تخصیص نہیں جن مقامات میں لڑائی ہوئی ہے جس طرح وہاں کے مسلمانوں پر فرض تھا کہ اپنے بھائیوں کی مدد اور دشمن کی مدافعت کریں اسی طرح روئے زمین کے مسلمانوں پر ایشیائی اور یورپین مظلوم مسلمانوں کی امداد واعانت اور دشمنوں کی مدافعت فرض ہے اگرچہ امداد واعانت کی صورت مختلف اور مدافعت کی نوعیت جداگانہ ہو۔

جمعیۃ علماء ہند کے سامنے جہاں اور مذہبی وعلمی فرائض ہیں وہاں اس وقت یہ بھی اس کے پیش نظر ہے بلکہ تمام دیگر فرائض سے مقدم اور اہم ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کا بیرون ہند کے مسلمانوں سے تعلق

رہا یہ سوال کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بیرون ہند کے مسلمانوں کے ساتھ ایسا کونسا شدید تعلق ہے جس کی وجہ سے ان پر سات سمندر پار کے رہنے والوں کی جانی اور مالی امداد فرض ہو جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیرووں اور کلمہ گویوں کے درمیان ایک ایسا رشتۂ اتحاد واخوت قائم کیا ہے جو تمام قومی مصنوعی اتحادات سے بالاتر ہے اس میں قومیت اور لباس اور رنگت کا امتیاز نہیں۔ صرف خدائے واحد پر ایمان لانا ایک مغربی شخص کو اقصائے مشرق میں رہنے والے کا بھائی بنا دیتا ہے اور ان بعد المشرقین کے رہنے والوں کے درمیان وہ تمام تعلقات قائم ہو جاتے ہیں جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت حق جل شانہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔ انما المومنون اخوۃ

یعنی ''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **ان حقاً علی المومنین ان یتوجع بعضھم بعضٍ کما یالم الجسد للراس** (کنز العمال)

''مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے لئے ایسے دردمند ہوں جیسے سر کے درد میں باقی اعضائے بدن دکھ پاتے ہیں''

دوسری جگہ ارشاد ہے: **المومنون کرجل واحدان اشتکی عینه اشتکی کله وان اشتکی راسه اشتکی کله** (رواہ مسلم)

یعنی ''تمام مسلمان مثل ایک جسم ہیں اگر آنکھ میں درد ہو تو تمام بدن دکھ اٹھتا ہے اور سر میں درد ہو تو تمام بدن تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان کے درد اور دکھ سے تمام مسلمانوں کو درد اور تکلیف پہنچنا ضروری ہے۔

خدا تعالیٰ کے پاک فرمان اور رسول اللہ ﷺ کے مقدس ارشاد سے صاف ثابت ہوگیا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے درد سے اسی قدر صدمہ ہونا چاہیے جس قدر ایک عضو کی تکلیف سے دوسرے اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے اور اس مثال سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایمان اسی وقت کامل ہوگا جب کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی تکلیف سے ایسے ہی بے اختیاری اور اضطراری طور پر تکلیف پہنچے جس طرح ایک عضو کی تکلیف سے دوسرے اعضاء کی تکلیف بے اختیاری اور اضطراری ہوتی ہے

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:۔

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه وفی روایة المسلم ولا یظلمه ولا یخذله ولا ینصره

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے دشمن کے پنجہ میں چھوڑ دے''

اور صحیح مسلم میں دوسری روایت ہے کہ

''نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کی نصرت ومدد سے منہ موڑے اور نہ اسے حقیر کرے۔''

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

مامن امرء مسلم يخذل امرأ مسلماً فی موضعٍ يتهك فيه الاخذله الله فی موضع يحب فيه نصرته وما من امراء مسلم ينصر مسلماً فی موضع ينقض فيه من عرضهٖ وهتك فی من حرمةٖ الا نصره الله فی مواطن يحب فيه نصرته.

''جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی ایسی موقعہ پر مدد نہ کرے جہاں اسکی بے عزتی کی جاتی ہو اور آبرو پامال ہوتی ہو تو خدا اسکی اس جگہ مدد نہیں کرے گا جہاں یہ خدا کی مدد چاہتا ہے اور جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسی جگہ مدد کرے گا جہاں اسکی عزت خراب کی جاتی ہے اور بے آبروئی ہو رہی ہے تو خدا اسکی جگہ مدد کرے گا جہاں یہ اسکی مدد چاہتا ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس کو ہلاکت سے بچاتا ہے اور پس پشت اسکی حفاظت کرتا ہے۔

یہ ہیں خدائے برتر اور اس کے پاک رسول ﷺ کے صریح فرمان اور یہ ہیں مقدس مذہب اسلام کے جلیل القدر احکام جن کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان اپنے سمندر پار کے مذہبی بھائیوں کی امداد واعانت کو اپنا مذہبی پاک فریضہ سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر ہم نے اس دردناک مصیبت میں بھی ان کی بات نہ پوچھی۔ کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے رہے اور ان کو دشمنوں کا تختہ مشق بن جانے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور ان کی امداد واعانت میں امکانی کوشش نہ کی۔ تو قیامت کے دن خدائے جلیل وجبار کے قہر سے چھٹکارا مشکل ہے۔

مسلمانان عالم بغیر کسی معاہدہ کے رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں

اسلام سے پہلے قومی زندگی قائم رکھنے اور بنی نوع کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے اقوام عالم کا یہ طریقہ تھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ حلف یعنی معاہدہ کرلیا جاتا تھا دونوں معاہد قومیں ایک دوسرے کی مددگار ہوتی تھیں۔ ایک دوسرے کی طرف سے دشمنوں سے لڑتی تھیں معاہدہ کی یہ رسم غیر مسلم اقوام میں آج تک جاری ہے اسلام نے حلف یعنی معاہدہ نصرت کو مسلمانوں کے آپس

میں غیر ضروری قرار دیا مگر غیر ضروری قرار کا منشا یہ تھا کہ مسلمانوں کو متفقہ قومی طاقت یا باہمی معاونت کی ضرورت نہیں بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو خود ان کے پاک مذہب نے باہمی نصرت واعانت کی ایسی مضبوط زنجیر میں جکڑ دیا ہے جو انسانی معاہدہ نصرت سے کہیں زیادہ مضبوط اور استوار ہے جس وقت کسی شخص نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لیا اسی وقت سے وہ مسلمانوں کا بھائی ہو گیا خواہ وہ اقصائے مغرب کا رہنے والا ہو، یا منتہائے مشرق کا، گورا ہو یا کالا کچھ تفاوت نہیں۔

بات یہ ہے کہ معاہدہ کرنے والے معاہدہ سے تین فائدے حاصل کرتے تھے اول یہ کہ ایک معاہد دوسرے کے حملے سے محفوظ ہو جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ کسی تیسرے حملہ آور دشمن کے ساتھ مل کر اس سے لڑنے کا خطرہ نہیں رہتا تھا۔ تیسرے یہ کہ اگر یہ کسی دشمن پر حملہ کرے تو معاہد اس کی مدد کرے۔ یہ تینوں باتیں ہر مسلمان پر اسلام لاتے ہی فرض ہو جاتی ہیں۔ مثلاً پہلی بات کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حملے سے محفوظ ہو جائے اس کے متعلق ارشاد ہے۔ سباب المسلم فسق وقتاله کفر (بخاری) ''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس پر حملہ کرنا کفر ہے''

دوسری حدیث میں فرمایا: کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه یعنی ''مسلمان کو دوسرے مسلمان کے جان و مال اور آبرو پر حملہ کرنا حرام ہے''

تیسری حدیث میں ارشاد ہے

الا لا ترجعن بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (ترمذی)

''دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارو''

اور حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

ومن یقتل مومناً متعمداً فجزاء جهنم خالداً فیها وغضب الله علیه ولعنه واعدله عذابا عظیما (النسآء)

''جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دے تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ

رہے گا اور اس پر خدا کا غضب اور لعنت نازل ہوگی اور اس کے لئے خدا تعالیٰ نے بڑا عذاب مہیا کیا ہے''

اور دوسری بات کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی جانب سے یہ خوف نہ رکھے کہ وہ میرے دشمن کے ساتھ ہو کر میرے اوپر حملہ کرے گا اس کے متعلق ارشاد ہے **لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیآء من دون المومنین o**

یعنی ''مسلمان کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کے خلاف نہ بنائیں کہ کفار کی طرف ہو کر مسلمانوں سے لڑیں''

تفسیر ابن جریر میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے

ومعنیٰ ذلك لا تتخذ وا ایھا المؤمنون الکفاراً ظھراً وانصاراً توالونھم علیٰ دینھم وتظاھرونھم علیٰ المسلمین.(ابن جریر طبری)

یعنی ''معنے اس آیت کے یہ ہیں کہ اے مسلمانو کفار کو اپنا مدگار اور حمایتی نہ بناؤ کہ ان کافروں سے تم ان کے دین میں دوستی کرو اور ان کی مسلمانوں کے خلاف مدد کرو۔

تیسری بات کہ اگر مسلمان کسی دشمن اسلام پر حملہ کرے تو تمام مسلمان اس کی مدد کریں اس کے متعلق حضور ﷺ کا صاف وصریح ارشاد موجود ہے کہ

المؤمنون ید علیٰ من سواھم.(ابو داؤد)

''تمام مسلمان دشمنان اسلام کے مقابلہ میں ایک ہی ہاتھ ہیں''

یعنی دشمنان اسلام کے مقابلہ میں تمام مسلمانوں کو اس طرح متفقہ طاقت سے کام لینا چاہیے کہ گویا ان سب کی حرکت ایک ہاتھ کی حرکت ہے۔

پس جبکہ مسلمانوں کے لئے رسمی معاہدہ کی تمام ذمہ داریاں صرف اسلام لانے سے حاصل ہو جاتی ہیں تو مسلمان کو مسلمان سے معاہدہ کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ رہا مسلمانوں کا کسی دوسری قوم سے معاہدہ کرنا اور جب تک کوئی دوسرا فریق بدعہدی نہ کرے اس پر قائم رہنا یہ علیحدہ چیز ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج کل دنیا کی وہ قوتیں جو اپنے رسمی معاہدوں کو واجب الاحترام سمجھتی ہیں آیا ان کو یہ حق ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس آسمانی معاہدے اور مذہبی حلف سے روک دیں یا یہ کہہ سکیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ٹرکی یا عراق یا شام کے مسلمانوں سے کیا واسطہ یہ خواہ مخواہ کیوں اس کے لئے چیخ وپکار کرتے ہیں ہم تمام ایسے لوگوں سے ببانگ دُہل کہے دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں باہمی نصرت ومعاونت کا معاہدہ انسانی معاہدہ نہیں ہے بلکہ خدائے قدوس کا قائم کیا ہوا اور سخت تاکیدی مذہبی احکام کا قرار دیا ہوا معاہدہ ہے اگر تمہارے اپنے قائم کئے ہوئے معاہدے تمہیں مجبور کرتے ہیں کہ امریکہ والے آ کر یورپ میں تمہاری مدد کریں اور ان کی یہ مدد آئین وانصاف کے خلاف نہ سمجھی جائے تو مسلمانوں کو ان کا خدا ان کا رسول ﷺ ان کا پاک مذہب حکم کرتا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کی مدد کریں خواہ وہ کہیں کے رہنے والے ہوں۔

کسی انسانی قانون اور طاقت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے مذہبی فرائض سے روکے یا ان کی جائز مذہبی جدوجہد کو غیر آئینی قرار دے۔

مسلمانوں کی بے چینی کے اسباب:

یہاں پر طبعاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہ کون سے واقعات ہیں کہ جنہوں نے مسلمانوں کو اس قدر بے چین مضطرب کردیا ہے اور کیا اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے بیرون ہند کے رہنے والے بھائیوں سے ہمدردی اور اعانت فرض ہوگئی ہے اس کا جواب دینے اور سننے کے لئے پتھر کا دل اور فولاد کا کلیجہ درکار ہے اور اس کی تفصیل کے لئے بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہے اس لئے اول تو اپنے ضعف کی وجہ سے دوسرے اس لئے بھی کہ بہت سے واقعات اور مظالم اخباروں اور تقریروں کے ذریعے سے عالم آشکارا ہو چکے ہیں میں صرف چند جملوں پر اختصار کرتا ہوں۔

معزز ناظرین! دنیائے اسلام میں گزشتہ چند صدیوں سے سلطان ٹرکی کی واحد سلطنت اسلامی شوکت کی ضامن تھی اور حرمین محترمین۔ بیت المقدس، عراق وغیرہ کے تمام اماکن مقدسہ ومقامات محترمہ کی حفاظت کی کفیل تھی جمہور اہل اسلام کے اتفاق سے سلطان ٹرکی

خلیفۃ المسلمین مانے جاتے تھے اور خلافت کے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے تھے ان کا عروج وترقی اور ان کی سلطنت کی وسعت جابر وغاصب مسیحی سلطنتوں کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور وہ ہمیشہ اسی فکر میں لگی رہتی تھی کہ خلیفۃ المسلمین کا اقتدار گھٹایا جاوے اور مستقر خلافت پر قبضہ کر کے یورپ سے اسلام کا نام ونشان مٹا دیا جاوے اگرچہ سلطان ٹرکی پر ان مسیحی بھیڑیوں کے درمیان بالکل بتیس دانتوں میں ایک زبان کی مثل صادق تھی مگر خلیفۃ المسلمین کی اسلام کے لئے جانبازانہ مقاومت ان غاصبوں کی متعصّبانہ خواہشیں پوری نہ ہونے دیتی تھی تاہم ان دشمنان اسلام کے دندان آز غریب ٹرکی کے بدن میں سے گوشت کے لوتھڑے نوچتے رہے اور ۱۸۷۷ء سے تو اس نوچ کھسوٹ کا متواتر ایک سلسلہ قائم ہو گیا مصر جیسا زرخیز علاقہ۔ جزیرہ قبرص۔ طرابلس۔ سالونیکا۔ یونان بلغاریہ۔ سربیا۔ البانیا وغیرہ ٹرکی علاقے یکے بعد دیگرے ان ظالموں کی جوع الذئب کی بھینٹ چڑھ گئے اور یہ ان بڑے بڑے لقموں کو ایسا ہضم کر گئے کہ ڈکار تک نہ لی۔ یہاں تک کہ جنگ عظیم چھڑ گئی جس کا واحد سبب طمع ملک گیری تھا کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ ٹرکی کو بھی شریک جنگ ہونا پڑا اور شریک بھی اس فریق میں جو برطانیہ سے برسر پیکار تھا۔ اس وقت تمام عالم کے مسلمان جس مصیبت میں مبتلا ہوئے اور بالخصوص برطانوی حکومت میں رہنے والے مسلمانوں کو جو مشکلات پیش آئیں اس کو خدائے علیم وحکیم ہی بہتر جانتا ہے برطانوی مدبرین نے اپنی مسلمان رعایا کی تسلی کے لئے وقتاً فوقتاً چند اعلان شائع کئے جن میں مسلمانوں کو اطمینان دلایا کہ ان کے مقامات مقدسہ پر کوئی آنچ نہ آئے گی اور مستقر خلافت پر کوئی معاندانہ قبضہ نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ مسلمانوں کا ان وعدوں پر یقین کر کے مطمئن ہو جانا ایک سخت غلطی تھی جس کا تلخ ترین مزہ آج ان کے روحانی ذائقے کو تلخ بنا رہا ہے لیکن واقعہ یوں ہی ہوا کہ مسلمان اس وعدے پر مطمئن ہو گئے اور سلطنت برطانیہ کی جانی ومالی امداد کر کے شاندار فتح حاصل ہونے کا باعث بنے۔ شاطرین برطانیہ نے جیسے ہی ہوا کا رخ اپنے موافق دیکھا فوراً عیاری کے داؤ چلنے لگے اور تمام دنیا کی مہذب قوموں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر تمام وعدے نسیاً منسیاً کر دیے۔

مقامات مقدسہ پر قبضہ کر لیا مستقر خلافت یعنی قسطنطنیہ کو فوجی قبضہ میں دبوچ لیا سمر

نا پر یونانیوں کو قبضہ دلا دیا عرب کو ترغیب اور لالچ دے کر خلیفۃ المسلمین سے باغی بنا دیا ترکی فوجوں سے ہتھیار رکھوالئے اور اس غریب کو زمانہ التوا میں بے دست وپا کر کے نہایت ذلت آمیز شرائط صلح پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا شرائط صلح میں خاص طور پر اقتدار خلافت کو زائل کرنے والی شرطیں لگائی گئیں۔ اور تمام دیگر طاقتوں کی مسلمان رعایا کا خلیفۃ المسلمین سے مذہبی سرپرستی کا تعلق منقطع کر دیا گیا۔ ولی عہد ترکی کو حراست میں کر لیا۔ اور اسی قسم کے ہزاروں غیر منصفانہ سلوک کئے گئے ان لڑائیوں میں شام عراق، عرب، سمرنا، ٹرکی کے مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ توڑے گئے لاکھوں مسلمان قتل کئے گئے لاکھوں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے۔ ہزاروں کلمہ گو خانہ ویران ہو کر وطن سے بھاگ نکلے اور آج غیر ملکوں میں سڑکوں اور میدانوں میں بے یار و مددگار پڑے ہوئے ہیں سینکڑوں کے بدن پر کپڑا اور جان بچانے کے لئے قوت لا یموت بھی میسر نہیں سمرنا میں ہزاروں بے گناہ قتل کر دیئے گئے عورتوں کی عصمت دری کی گئی ہیں وہ روح فرسا اور جاں سوز واقعات جنہوں نے تمام عالم کے مسلمانوں کو بے چین کر دیا ہے اور جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان باقی ہے وہ سیماب وار بے قرار ہے اور اپنا شرعی، اخلاقی اور قانونی حق سمجھتا ہے کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی نصرت و اعانت کیلئے اٹھ کھڑا ہو اور جس طرح ممکن ہو اپنے بھائیوں کو دشمن کے نرغہ سے نکالے اور ان کے پنجہ ظلم سے نجات دلائے۔

اخوت ایمانی کی ایک عالم گیر لہر اٹھی اور طرفتہ العین میں مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک دوڑ گئی سوتے ہوؤں کو بیدار کر دیا بیداروں کو اٹھا کر کھڑا اور کھڑے ہوؤں کو بے محابا دوڑا دیا۔

حجرہ نشین زاہد۔ کتاب کے کیڑے طالب علم، مدرسوں میں درس دینے والے برق تقریر عالم، دکانوں پر بیٹھنے والے تاجر، اسباب ڈھونڈنے والے مزدور، سب ایک صف میں آ کر کھڑے ہو گئے یہی نہیں بلکہ دول یورپ اور بالخصوص برطانیہ کی ظالمانہ اور غاصبانہ پالیسی دیکھ کر اکیس کروڑ برادران وطن بھی ان کے ساتھ ہمدردی کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ فریضہ تو اپنے مسلمان بھائیوں کی اعانت اور امداد کے متعلق تھا جس میں انسانی ہمدردی اور اخلاقی

مروت کی وجہ سے غیر مسلم بھائی بھی مسلمانوں کے دوش بدوش کام کررہے ہیں۔

مسلمانوں کے فرائض مقامات مقدسہ کے احترام اور خلافت اسلامیہ کے استحکام کیلئے سعی کرنااس کے بعد دوسرا فریضہ حمایت مذہب اور اماکن مقدسہ کا احترام باقی رکھنے کے متعلق ہے جو مسلمانوں پر ان کے پاک مذہب نے عائد کیا ہے حضور نبی کریم ﷺ کی وہ آخری وصیت جو دنیا سے تشریف لے جاتے وقت مسلمانوں کو فرمائی تھی یہ تھی:

اخرجوالمشرکین من جزیرة العرب یعنی ''مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو''

اور دوسری روایت میں ہے:

اخرجوا الیھود والنصارٰی من جزیرة العرب یعنی ''یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو''

ان احکام میں تمام مسلمان مخاطب ہیں عرب وعجم کی کوئی تفریق نہیں۔ شامی یا ترکی یا ہندی کا کوئی امتیاز نہیں ان احکام کی وجہ یہ ہے کہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ اسلام کے اصلی سرچشمے ہیں۔ حجاز کی مقدس سرزمین پہلی جگہ ہے کہ جہاں سے توحید ربانی کا آفتاب طلوع ہوا اور اس کے ذروں کو روشن کرکے ہر ذرے کو دنیا کے مختلف حصوں کے لئے ایک ایک آفتاب بنا دیا۔

اس پاک اور مقدس سرزمین پر اسلام کے حقیقی جانثاروں اور خدائے پاک کی توحید پر جان قربان کرنے والوں کے خون کے محترم قطرے گرے ہیں اور انہوں نے نہایت جلیل القدر قربانیوں کے بعد ان مقامات کو کفروشرک کی نجاست سے پاک کیا ہے پس اس لئے کہ جزیرہ عرب اسلام کا اصلی سرچشمہ ہے آفتاب توحید کا مطلع ہے اسلامی شوکت کا مرکز اور تجلیات الٰہی کا مظہر ہے اس میں خدا کے سب سے زیادہ مقدس اور محبوب رسول ﷺ کی آرام گاہ ہے اس میں دنیا کا سب سے پہلے توحید کا عبادت خانہ ہے اس کے ریگستان کے ذرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خون سے سیراب کئے گئے ہیں اس میں اسلام کے جداعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی یادگاریں ہیں ضروری ہے کہ کسی غیر طاقت اور دشمن اسلام سلطنت کے قبضہ اور تسلط سے پاک رہے۔

کیا تین خدا ماننے والوں کیا مادی قوت کے پرستاروں کیا دنیا کی تمام

سرزمین کو اپنی جاگیر سمجھنے والوں سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے تسلط اور قبضہ کے بعد رسول پاک ﷺ کے روضۂ مطہرہ کا احترام اور بیت الحرام کی حرمت باقی رہے گی اور دشمنان توحید اس کی تقدیس وتعظیم کو اپنے نقطۂ خیال سے ضروری سمجھیں گے رعایا کے مذہبی جذبات سے خوف کھا کر اور عام ہیجان کے خطرے سے دفعتاً کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے عالم اسلامی میں ایک دم طوفان برپا ہو جائے تو یہ اور بات ہے لیکن کوئی تجربہ کار جسے یورپین طاقتوں کی اس مذہبی عصبیت کا تجربہ ہے جس کی وجہ سے برطانیہ کے ذمہ دار ارکین فتح بیت المقدس کو شاندار صلیبی فتح قرار دیتے ہیں اور سالونیکا پر یونانیوں کے قبضہ کے وقت یہ کہ کر خوشی مناتے ہیں کہ یورپ میں عیسائی مذہب کے داخل ہونے کا پہلا دروازہ پھر عیسائیوں کے پاس آ گیا ایک منٹ کے لئے مطمئن نہیں ہوسکتا کہ ان دوست نما اعداء اسلام کے تسلط کے بعد بھی مقامات مقدسہ کی حقیقی حرمت باقی رہ سکتی ہے۔

بہت سے ظاہر بین مسلمان بھی اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ انگریزی تسلط کے بعد حج جاری رہے گا بلکہ آرام وآسائش کے سامان زیادہ ہو جائیں گے میں ان حضرات سے صرف اسی قدر عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ایک ظاہری سفر کو حقیقی حج سمجھ لیا ہے اور ظاہری سفر کے آرام وآسائش کو حضور ﷺ قلب اور اخلاص وحلاوت ایمانی کی جگہ دیدی ہے اور پھر ظاہری آرام وآسائش کا بھی آپ کو تجربہ ہو جائے گا ابھی ذرا ٹھہریئے اور یہ سنہرا طوفان جو خود غرضی اور عیاری کے ساتھ عرب کی سطح پر محیط ہو گیا تھا ذرا کھل جانے دیجئے پھر آپ کو آرام وآسائش کا بھی پتہ چل جائے گا۔

یہاں پر یہ کہا جاتا ہے کہ حجاز پر انگریزی قبضہ نہیں ہے بلکہ شریف مکہ کی حکومت ہے، میں عرض کروں گا کہ شریف مکہ کی حکومت کی حقیقت بھی واقف کار نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے بھلا وہ شریف جس نے اپنے قدیمی ولی نعمت اور واجب الاحترام آقا اور مفروض الطاعۃ خلیفۃ المسلمین سے ایک مسیحی طاقت کی ترغیب اور رابلہ فریبی کی وجہ سے بغاوت کی ہو، وہ شریف جو انگلستان کا وظیفہ خوار ہو، وہ شریف جو مسیحی سرداروں کی تصویر کو سینہ سے لگاتا ہو، وہ شریف جو خدا کے مقدس جائے امن سے مسلمانوں کو گرفتار کر کے کفار کے حوالے کر دے، اس

کی حکومت صحیح معنے میں اسلامی حکومت ہوسکتی ہے؟ اور اس کا نام نہاد اقتدار اسلامی اقتدار کہلاسکتا ہے؟ حاشاوکلا۔ الغرض بیت المقدس۔ حجاز کی مقدس سرزمین۔ عراق، عرب، یہ سب مسلمانوں کے اماکن مقدسہ ہیں مستقر خلافت یعنی قسطنطنیہ اور ایڈریا نوپل قدیم اسلامی یادگاریں ہیں ان تمام مقامات کو اسلامی شوکت ووقار کا مرکز اور خلافت اسلامیہ کا محور ہونے کی وجہ سے مذہبی احکام کے بموجب غیر مسلم اثر سے پاک وصاف رکھنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے یہاں تک اس کا بیان تھا کہ اس وقت مسلمانوں کے مذہبی فریضہ ہے کیا ہیں گزشتہ بیان سے معلوم ہوگیا کہ وہ فرائض یہ ہیں۔

اپنے مسلمان مظلوم بھائیوں کی نصرت واعانت، مقامات مقدسہ کی حفاظت۔ خلیفۃ المسلمین کے اقتدار کی برقراری میں کوشش۔ خلافت اسلامیہ کے استحکام کی سعی کرنا۔

مسلمانوں کے ادائے فرائض کی صورت

اب سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ان فرائض کے ادا کرنے کی کیا سبیل ہے۔ میں پہلے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے نہ صرف ہندوستان بلکہ اقصائے عالم میں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہ ہوگا جو ان فرائض کی واقعیت سے منکر ہو بلکہ اس میں تردد اور شبہ رکھنے والا بھی غالباً کوئی متنفس نہ نکلے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ایک تلاطم برپا ہے ہر شخص بے چین اور مضطرب ہے۔ خلافت کمیٹیوں کی کثرت اور عام قومی مظاہروں اور جلسوں کی نوعیت اس کی بین دلیل ہے۔

مگر بعض بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی خوف کی وجہ سے جو ان کے دلوں پر مسلط ہوگیا ہے اس فریضہ کے عائد ہونے میں طرح طرح کے شبہات نکالتے ہیں یا کسی دنیوی طمع اور لالچ اور اپنی سنہری روپہلی مصلحتوں کے باعث حیلے حوالے تراشتے ہیں۔

علماء ہند کا فیصلہ:

آپ کو معلوم ہے کہ علمائے ہند کی ایک کثیر جماعت یہ فیصلہ کرچکی ہے کہ چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس مدافعت اعداء کے مادی اسباب نہیں ہیں۔ توپیں، ہوائی جہاز، بندوقیں ان کے ہاتھ میں نہیں۔ اس لئے مادی جنگ نہیں کرسکتے۔ لیکن انہیں یقین رکھنا

چاہیے کہ جب تک برطانیہ کے وزراء اسلامی مطالبات تسلیم نہ کریں اس وقت تک تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی ان کے ساتھ معاشرتی اور اخلاقی جنگ کی حالت ہے یعنی مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ایسے تعلقات قائم رکھیں۔ جن سے ان کی مخالفانہ اور معاندانہ طاقت کو مدد پہنچے اور ان کے نشۂ غرور وتکبر کو تیز کرے۔ مسلمانوں کا اولین فرض ہے کہ وہ دشمن اسلام کو دشمن کے مرتبہ میں رکھیں اور ایسے تعلقات جو میل جول اور دوستی اور محبت پیدا کرنے والے ہیں ایک دم چھوڑ دیں۔ اس اخلاقی جنگ کا نام ترک موالات ہے جس کے متعلق قرآن پاک میں صریح احکام موجود ہیں۔ حق تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ میں ارشاد فرمایا ہے: یا ایھا الذین امنوا لاتتخذ وا عدوی وعدوکم اولیاء

یعنی ''ایمان والو میرے اور اپنے دشمن کو دوست اور مددگار نہ بناؤ''

اس آیت میں حضرت حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمنان اہل اسلام کے ساتھ موالات کرنے سے منع فرمایا ہے اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے غزوہ فتح مکہ کا ارادہ فرمایا اور اس کا سامان ہونے لگا تو حاطب بن ابی بلتعہ صحابی نے مشرکین عرب کو ایک خفیہ اطلاع کا خط لکھا جس میں کو متنبہ کیا گیا تھا کہ رسول خدا ﷺ تمہارے اوپر حملہ کی تیاریاں کررہے ہیں۔ تم اپنا بھلا برا سوچ لو۔ چونکہ قریش کے ساتھ ان کا کوئی نسبی تعلق نہ تھا اس لئے انہوں نے چاہا۔ کہ میں ان کے ساتھ یہ احسان کردوں۔ اور اس کے بدلے میں وہ میری اہل وعیال اور جائیداد وغیرہ کی جو مکہ میں ہے حفاظت کریں۔ حضور ﷺ کو وحی سے اطلاع ہوگئی اور راستہ میں سے وہ خط پکڑا گیا۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس میں کئی باتیں خاص توجہ کے لائق ہیں اول یہ کہ اس میں حضرت حق تعالیٰ نے عدوی وعدوکم فرمایا ہے۔ جس سے صاف طور پر سمجھا جاتا ہے کہ دشمنان خدا اور دشمنان اہل اسلام سے ترک موالات کا حکم دینے کی علت ان کی عداوت اور دشمنی ہے۔ تو جہاں کہیں عداوت اور دشمنی موجود ہوگی وہاں ترک موالات کا حکم اسی طرح عائد ہوگا جس طرح آیت شریفہ کے نزول کے واقعہ میں ہوا تھا دوسرے یہ کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے کفار مکہ کی محبت یا قلبی میلان یا ان کے کفر سے راضی ہونے کی وجہ سے یہ کام نہ کیا تھا بلکہ

محض ایک دنیوی مصلحت کی وجہ سے کیا تھا اور مصلحت بھی ایسی کہ ان کے اہل وعیال کی حفاظت کی اور کوئی سبیل نہ تھی کیونکہ وہ دشمنوں کے تسلط کے مقام میں تھے۔ گویا ان کا یہ خبر دینا دشمنوں کی ایک خدمت (محافظت جائیداداور اہل وعیال) کا معاوضہ تھا باوجوداس کے حضرت حق تعالیٰ نے اس کو موالات سے تعبیر فرمایا اور ممانعت کا حکم بھیجا۔

تیسرے یہ کہ حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ فعل یعنی خبر دینا کفار مکہ کی کوئی مادی مدد کرنا نہ تھا بلکہ صرف ان کو ان کے برے انجام سے خبر دار کرنا اور اپنی نجات کا طریقہ سوچ لینے کے لئے ہلاکت کا وقت سر پر آنے سے پہلے موقعہ بہم پہنچانا تھا مگر صرف اتنی بات کو بھی حق تعالیٰ نے موالات ممنوعہ میں داخل فرما کر موالات کی ممانعت کا حکم نازل فرما دیا۔ حاطب رضی اللہ عنہ کے اس خفیہ خط کے یہ الفاظ اس مضمون پر پوری روشنی ڈالتے ہیں۔

ان رسول الله ﷺ یرید کم فخذواحذرکم.(خازن) یعنی "رسول الله ﷺ تمهارے اوپر حمله کا اراده فرما رهے هیں تو تم اپنا بچاؤ اختیار کرلو"

اور جب حضور ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ کیوں حاطب یہ کیا حرکت کی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا۔

مافعلته کفراً ولا ارتداداً عن دینی ولا رضا بالکفر بعد الاسلام کہ "حضور میں نے یہ کام کفر کی وجہ سے یا اسلام سے پھر جانے کے باعث یا اسلام لانے کے بعد کفر کے ساتھ راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا"

کان اهلی بین ظهرا نیهم فخشیت علیٰ اهلی فاردت ان اتخذلی عندهم یداًوقد علمت ان الله تعالیٰ ینزل بهم باسه وان کتابی لا یغنی عنهم شیئاً. (خازن) "میرے اہل وعیال کفار مکہ کے نرغہ میں تھے مجھے ان کی جان کا خوف تھا تو میں نے چاہا کہ ان کے ساتھ ایک احسان کردوں اور بیشک میں جانتا تھا کہ خدا تعالیٰ ان کافروں پر اپنا عذاب نازل کرے گا اور میرے خط سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

چوتھے یہ کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے حاطبؓ کے اس فعل کو نکث بیعت اور مظاہرت سے تعبیر فرمایا۔

لکنه قد نکث وظاهر اعداء ك عليك (ابن جرير طبرى)

''یارسول اللہ ﷺ اس (حاطب ؓ) نے اسلام کی بیعت توڑ دی اور آپ ﷺ کے خلاف آپکے دشمنوں کی مدد کی۔

اس کے بعد حضرت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

انما ينها كم الله عن الذين قاتلوا كم فى الدين واخرجوا كم من دياركم وظاهروا علىٰ اخراجكم ان تولوهم ومن يتولهم فاؤلٰك هم الظلمون o (ممتحنه)

''حق تعالیٰ تم کو ایسے لوگوں کی موالات سے منع کرتا ہے جو تم سے مذہبی لڑائی لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور نکالنے والوں کے مددگار ہوئے۔ اور جو لوگ ان سے موالات کریں گے وہ ظالم ہیں۔

جن کافروں میں یہ تین چیزیں پائی جائیں انکی موالات کو یہ آیت حرام قرار دیتی ہے۔

(**حاشیہ:** مگر یہ مطلب نہیں ہے کہ جن کافروں نے یہ کام کئے ہوں ان کے ساتھ مدت العمر موالات حرام ہے اس لئے ان کاموں کے کرنے والے جب مسلمان ہو جائیں تو ان کی گزشتہ کارروائیاں اسلام لاتے ہی کالعدم ہو جاتی ہیں یا ان سے مسلمان صلح کرلیں تو صلح کی شرائط کی تکمیل ضروری ہوتی ہے جیسے کفار مکہ سے صلح حدیبیہ کی شرائط کے ماتحت حضور ﷺ نے ان مسلمانوں کو واپس کردیا جو کفار مکہ کی قید سے کسی طرح نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔مؤلف)

اول مسلمانوں سے دینی لڑائی لڑنا۔

دوم: مسلمانوں کو گھروں سے نکالنا اور خانہ ویران کرنا۔

سوم: نکالنے والوں کی مدد کرنا۔

پہلی بات کہ برطانیہ کی مسلمانوں سے لڑائی مذہبی تھی یا نہیں برطانیہ کے وزیر اعظم

ایڈورڈ ہن مین ایلن بائی کے ان الفاظ سے جو جنرل ایلنبائی کو فتح بیت المقدس کی مبارک باد دینے کے وقت کہے گئے تھے اور اس فتح کو شاندار صلیبی فتح قرار دیا گیا تھا صاف ظاہر ہے اور ٹرکی کے ساتھ التواء جنگ اور صلح کی شرائط پر نظر ڈالنے سے موٹی نظر والے کو بھی حقیقت حال نظر آ جاتی ہے۔ تھریس پر یونانیوں کو قبضہ دلانا۔ قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینا اپنے صریح وصاف وعدوں کی خلاف ورزی کرنا سمرنا میں یونانیوں کے مظالم کو نہ روکنا یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے بعد کسی کو اس بات میں شبہ باقی نہیں رہ سکتا کہ ترکوں کے ساتھ صرف ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ تمام ناانصافیاں روا رکھی گئی ہیں۔

مسلمانوں کو گھروں سے نکالنا

قسطنطنیہ اور اس کے اطراف سے ہزاروں محبان وطن نکل بھاگے۔ خود ولی عہد سلطنت نے اسلامی حمیت کی وجہ سے کئی مرتبہ نکلنے کا ارادہ کیا۔ مگر ان کو سخت حراست میں کر دیا گیا یونانیوں کے مظالم سے ہزاروں مسلمان سمرنا سے گھربار چھوڑ کر بھاگے قسطنطنیہ سے بہت سے معززین اور مقتدر افراد کو جلاوطن کر کے مالٹا وغیرہ میں بھیج دیا گیا یہ تمام واقعات ہیں جن سے اخراج من الدیار اور مظاہرت علی الاخراج میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ مالٹا میں ٹرکی کے بہت سے مقتدر افراد میری موجودگی کے زمانہ میں نظر بند تھے۔

پس جبکہ یہ تینوں باتیں سلطنت برطانیہ کے ذمہ دار وزراء کی طرف سے واقع ہو گئیں تو اب بھی کسی مسلمان کو برطانیہ کے ساتھ موالات کے حرام ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ موالات اور چیز ہے اور معاملہ اور چیز ہے۔ آیت موالات کو منع کرتی ہے نہ معاملات کو۔ تو میں کہوں گا کہ ہاں موالات کے مفہوم کے لحاظ سے فرق ضرور ہے لیکن موالات کے مفہوم میں قربت اور نزدیکی پیدا کرنے والے تعلقات اور باہمی نصرت و معاونت کے تمام ارتباطات لغوی معنے کے لحاظ سے داخل ہیں۔ پس تمام ایسے معاملات جن کی وجہ سے دشمن کے ساتھ ایسے تعلقات (فوجی ملازمت وغیرہ) جو مسلمانوں کی ہلاکت اور شوکت اسلامیہ کے مٹانے میں دخل رکھتے ہوں۔ ایسے روابط جن کی وجہ سے انہیں موقع ملے کہ مسلمانوں کی رضامندی پر استدلال کر سکیں۔ ایسے مراسم جن سے ان کے ساتھ محبت والفت کا

اظہار ہوتا ہے۔ براہ راست یا بالواسطہ موالات ممنوعہ محرمہ میں داخل ہیں حاطب بن ابی بلتعہؓ کے واقعہ کو بغور دیکھا جائے اور فاروق اعظمؓ کی ایمانی عینک سے مشاہدہ کیا جائے تو پھر کوئی شبہ واقع نہیں ہوسکتا۔

اس کی تفصیل کا یہ وقت نہیں ہے اس لئے صرف اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں دوسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ترک موالات سے تکلیف اور نقصان اٹھائیں گے اس کے جواب میں بھی مختصراً یہ واقعہ ذکر کردینا کافی سمجھتا ہوں کہ جس وقت یہود بنوقینقاع سے مسلمانوں کی لڑائی ہوئی تو عبادہ بن الصامت انصاریؓ نے عرض کیا۔

قال عبادة ان لی اولیآ من الیهود کثیر عددهم شدیدة شوکتهم وانی ابرأ الیٰ رسوله من ولایتهم وحلفهم ولا مولیے لی الا الله ورسوله وقال عبدالله ابن ابی لکنی لا ابرار من ولاء یهود انارجل لابدلی منهم.

(ابن جریر وخازن)

''حضور میری یہود کی ایسی جماعت سے موالات تھی جن کی تعداد بہت ہے اور طاقت زبردست ہے آج میں ان کی موالات سے دست برادری کرتا ہوں اور اب خدا اور رسول ﷺ کے سوا میرا کوئی مولا نہیں۔ اس پر عبداللہ بن ابی (منافق) بولا میں تو یہود کی موالات سے دست برداری نہیں کرسکتا۔ کیونکہ میری تو ان کے بغیر گزر مشکل ہے''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **یا ایها الذین اٰمنو لا تتخذو الیهود والنصاریٰ اولیآء**

''ایمان والو۔ یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ اور ان سے موالات نہ رکھو''

اور منافقین کا یہ قول کہ ہمیں تکالیف اور مصیبتیں پہنچنے کا خوف ہے جواز موالات کے لئے کافی نہ ہوا اور ان کو موالات کی اجازت نہ دی گئی۔ بلکہ ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت حق تعالیٰ نے فی قلوبهم مرض فرمایا ہے اور ان کے اس قول کا کہ ہمیں تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچنے کا خوف ہے یہ جواب دیا کہ عنقریب حق تعالیٰ اپنی طرف سے مسلمانوں کی فتح یا

اور کوئی مہتمم بالشان امر ظاہر کرے گا جس سے یہ تمام ڈرنے والے اپنے نفسانی منصوبوں پر نادم ہو جائیں گے۔

آج بھی ایک میدان عمل آپ کے سامنے ہے ابتلاء وامتحان کی کڑی منزل درپیش ہے مگر آپ دور نہ جائیں صرف اپنے آقائے نامدار خاتم النبیین ﷺ کے حالات پر غور کریں۔ آپ ﷺ کو مشرکین عرب نے اس قدر سخت تکلیفیں پہنچائی تھیں کہ **الامان الحفیظ**۔ مگر آپ ﷺ ان تمام جان گداز تکلیفوں کو نہایت استقامت کے ساتھ برداشت فرماتے رہے اور اپنے فرض تبلیغ کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ باندھ کر آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ اس وقت آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے حکم سے مکان چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اور تین دن غار ثور میں رہ کر مدینہ منورہ چلے گئے وہ زمانہ مسلمانوں کے لئے سخت ابتلاء وآزمائش کا زمانہ تھا مسلمانوں کی تعداد نہایت قلیل اور مالی حالت تنگی کی تھی مگر ان کے ایمان پختہ اور قلب مطمئن تھے ان کی صداقت واستقامت کی برکت تھی۔ کہ کفار کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ اور خوار وذلیل ہو کر مغلوب ہوئے اور خدا کا نور تمام دنیا میں پھیل گیا۔

مسلمانوں کی کامیابی یقینی ہے:

میری غرض اس بیان سے صرف یہ ہے کہ آج اگر مسلمانوں کے ایمان پختہ ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کے وعدۂ نصرت (وکان حقاعلینانصر المؤمنین) پر ان کو پورا بھروسہ ہو جائے اور تکالیف کی برداشت میں ذرا صبر واستقامت سے کام لیں تو انکی کامیابی یقینی ہے کیونکہ آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد چالیس کروڑ ہے جس میں سے صرف ہندوستان میں ساڑھے سات کروڑ آباد ہیں۔ اگر یہ سب متفقہ طور پر اسلامی خدمت کے لئے صبر واسقامت کی ڈھال لیکر کھڑے ہو جائیں تو کیا کوئی طاقت ہے جو توحید کی بجلی پر غالب آجائے۔ دشمنان خدا ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی نصرت اور توفیق سے مومنین کی قوت ایمانی اور استقامت ہمیشہ ان کی کوششوں کے سامنے سد سکندری ثابت ہوئی ہے اسلام خدا کا نور ہے جو ان کور چشموں کی

معاندانہ پھونک سے کبھی نہیں بجھ سکتا۔

فرزندان توحید! آج تمہارے ایمان اور اخلاص کا امتحان لیا جارہا ہے خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ اس کے جلال وجبروت کے سامنے سرجھکاتا ہے اور کون ہے جو دنیا کی ناپائیدار ہستیوں کے خوف سے خدا کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔

اگر تم کو میدان محشر میں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اگر تم کو رسول پاک ﷺ کی شفاعت کی آرزو ہے تو اس کے پاک دین کی حفاظت کرو اس کے مقدس احکامات کی اطاعت کرو۔ اس کی امانت توحید کو برباد نہ ہونے دو اور اس کی دی ہوئی عزت کو حقیقی عزت سمجھو۔ اسلام صرف عبادات کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی، سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل و مکمل نظام رکھتا ہے جو لوگ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجرہ میں بیٹھ رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کیلئے کافی سمجھتے ہیں۔ وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں ان کے فرائض صرف نماز روزہ پر منحصر نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔ وفقنا اللّٰہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

برادران وطن کا شکریہ

برادران وطن نے تمہاری اس مصیبت میں جس قدر تمہارے ساتھ ہمدردی کی ہے اور کررہے ہیں وہ ان کی اخلاق مروت اور انسانی شرافت کی دلیل ہے۔ اسلام نے احسان کا بدلہ احسان قرار دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ احسان کا نام ہے کہ آپ اپنی چیز کسی کو دیدیں کسی دوسرے کی چیز کو اٹھا کر دیدینے کو احسان نہیں کہتے اس لئے آپ برادران وطن کے احسان کے بدلے میں وہی کام کرسکتے ہیں جو اخلاقی اور شریفانہ طور پر اپنے اختیارات سے کرسکتے ہوں۔ مذہبی احکام خدا کی امانت ہیں ان پر تمہارا اختیار نہیں ہے اس لئے لازم ہے کہ حدود مذہب کے اندر رہ کر تم احسان کے بدلے میں احسان کرو۔ اور دونوں قومیں مل کر ایک ایسے زبردست دشمن کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ جو تمہارے مذہب اور تمہاری آزادی کو پامال کررہا ہے۔

علماء کا فرض

جماعت علماء جو حقیقۃً مسلمانوں کے مذہبی قائد ہیں ان کا فرض ہے کہ اس وقت موقع کی نزاکت اور اہمیت کو نظر انداز نہ کریں آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر اصل مقصود کو خراب نہ کریں ورنہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی تمام تر ذمہ داری انہیں پر عائد ہوگی علمی تدقیقات کے لئے آپ کے واسطے بہت سے میدان کھلے ہوئے ہیں عبادت وریاضت کے لئے بہت سی راتیں آپ کو بلا شرکت غیرے حاصل ہیں مگر جو کام جبل احد اور میدان بدر میں ہوا وہ مسجد نبویؐ جیسی مقدس جگہ کے مناسب نہ تھا۔

آج احتجاج اور مطالبہ حقوق کے میدان صرف مظاہروں کے پلیٹ فارم ہیں خلوتیں اور تنہائی کی راتیں اس کے لئے کافی نہیں ہیں اگر موجودہ زمانہ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز کا استعمال مدافعت اعداء کے لئے جائز ہوسکتا ہے (باوجود یہ کہ قرون اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں) تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں بھی تامل نہ ہوگا کیونکہ موجودہ زمانے میں ایسے لوگوں کے لئے جن کے ہاتھ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز نہیں یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔

برطانیہ اور مذہبی آزادی

معزز حاضرین! برطانیہ کا یہ دعویٰ کہ وہ کسی کے مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرتا آپ ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان کے مسلمان اپنے مذہبی امور میں آزادی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں کیا سلطنت کا زبردست پنجہ ان کا گلا گھوٹنے کے لئے ہر وقت تیار نہیں ہے۔ آج مولوی ظفر علی خاں اور مولوی لقاء اللہ، صوفی اقبال احمد، مولوی محمد فاخر اور اسی طرح دوسرے فرزندان ہند کس جرم میں قید خانوں میں بند ہیں کیا انہوں نے مذہبی احکام کی تبلیغ کے سوا اور کوئی گناہ کیا تھا کیا مسلمانوں کے مذہبی احکام کے فتوے ضبط نہیں ہوئے کیا مسلمانوں کی ہزاروں خواتین کو اپنے نکاح وطلاق کے مقدمات میں غیر مسلم عدالتوں کے سامنے جا کر اسلامی احکام کے خلاف فیصلے کرانے پر مجبور نہیں کیا شفعہ وقبضہ مخالفانہ وغیرہ کے قوانین شریعت اسلامیہ کے موافق ہیں؟ یہ تمام چیزیں ہیں جن کی پوری

نگہداشت جمعیۃ العلماء کے اہم فرائض میں سے ہے۔ اسی طرح اسلامی مذہبی تعلیم کے لئے مفید نظام قائم کرنا اور تمام اسلامی درسگاہوں کو ایک سلسلہ میں منسلک کرنا بھی علماء کے ضروری فرائض میں داخل ہے۔

اسلامی اوقاف کا وسیع وعریض سلسلہ بھی ایک خاص نظم کا محتاج ہے غرض کہ بہت سی اسلامی ضروریات ہیں جو علماء کے ایک مرکز پر جمع نہ ہونے کی وجہ سے منتشر حالت میں تھیں خدا تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے ان کو جمع کر دیا اس اجتماع کی بدولت امید ہے کہ تمام پراگندہ اور منتشر امور کا نظام درست ہو جائے گا۔

قبل اس کے کہ میں اپنے بیان کو ختم کروں آپ حضرات سے ایک التجا کرتا ہوں وہ یہ کہ ہر حال میں خدائے قدوس پر بھروسہ رکھیں اور اپنی تدبیر کو تدبیر ہی کے مرتبہ میں سمجھیں اسلامی احکام کی تعمیل کریں اور مذہبی فرائض ادا کرنے کا مضبوط اور مستحکم عہد باندھ لیں خدا کی رحمت نیک بندوں کے ساتھ رہتی ہے اور اس کا رحم ضعیفوں اور خدا پر بھروسہ رکھنے والوں کی مدد کرتا ہے۔

دعا:

اے زندہ اور قدوس خدا اے ارحم الراحیم۔ اے شہنشاہ رب العالمین ہمارے گناہوں سے درگزر فرما اور ہمارے ضعف وناتوانی پر رحم کر۔ ہمیں اعمال صالحہ کی توفیق دے اور اپنے دین کی خدمت کے لئے ہمارے دل مضبوط کردے۔ ہماری کلائیوں میں طاقت عنایت فرما ہمارے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کر حق کو فتح اور باطل کو شکست دے۔ آمین۔

امین یا ارحم الرّٰاحمین واٰخر دعوٰنا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ محمدٍ والہ واصحابہ اجمعین٥

اختتامی تحریر

خطبہ صدارت

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ

جو نیشنل یونیورسٹی (جامعہ ملیہ) کے افتتاح کے وقت پڑھا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم : حامداً و مصلیاً

جلسوں کی عام روش کا اقتضا یہ ہے کہ میں سب سے پہلے اس عزت صدارت پر جو ایک نہایت ہی سرفروشانہ ایثار اور شجاعانہ جدوجہد کرنے والی جماعت کی طرف سے مجھ کو مرحمت ہوئی ہے شکرگزاری اور منت پذیری کا اظہار کروں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ شکر یہ چند وقیع اور شاندار الفاظ سے ادا نہیں ہوسکتا اور یہ مجھ کو محض رسمی اور مصنوعی ممنونیت کی نمائش اس بھاری ذمہ داری کے بوجھ سے سبکدوش کرسکتی ہے جو فی الحقیقت آپ نے اس عزت افزائی کے ضمن میں مجھ پر عائد کی ہے دو چار پھڑکتے ہوئے جملے بلاشبہ عارضی طور پر مجلس کو محظوظ کرسکتے ہیں مگر میں خیال کرتا ہوں کہ میری قوم اس وقت فصاحت و بلاغت کی بھوکی نہیں ہے اور نہ اس قسم کی عارضی مسرتوں سے اس کے درد کا عارضی درمان ہوسکتا ہے اس کے لئے ضرورت ہے ایک قائم و دائم جوش کی۔ نہایت صابرانہ ثبات قدم کی دلیرانہ مگر عاقلانہ طریق عمل کی۔ اپنے نفس پر پورا قابو پانے کی۔ غرض ایک پختہ کار بلند خیال اور ذی ہوش محمدی ﷺ بننے کی۔

میں ہرگز آپ کے لیکچراروں اور فصیح اللسان تقریر کرنے والوں کی تحقیر نہیں کرتا کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ جو چیز سوئے ہوئے دلوں کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے اور زمانہ کی ہوا میں اول تموج پیدا کرتی ہے وہ یہی دعوت حق کا غلغلہ ڈالنے والی زبان ہے۔ ہاں اس قدر

گزارش کرتا ہوں کہ تاوقتیکہ متکلم اور مخاطب کے دل میں سعی جمیلہ کا سچا جذبہ۔ اس کے اخلاق میں شجاعانہ استقامت وایثار اس کے جوارح میں قوت عمل اس کے ارادوں میں پختگی اور چستی نہ ہو محض گرم جوش تقریریں کسی ایسے کٹھن اور بلند پایہ مقصد میں آپ کو کامیاب نہیں کرسکتیں۔

وکیف الوصول الیٰ سعادودونها　　　قلل الجبال ودونهم حُتوف

اے حضرات! آپ خوب جانتے ہیں کہ جس وادی پر خار کو آپ برہنہ پا ہو کر قطع کرنا چاہتے ہیں وہ مشکلات اور تکالیف کا جنگل ہے قدم قدم پر وہاں صعوبتوں کا سامنا ہے طرح طرح کی بدنی، مالی اور جاہی مکروہات آپ کے دامن استقلال کو الجھانا چاہتی ہیں لیکن حفت الجنة بالمکاره کے قائل کو اگر آپ خدا کا سچا رسول ﷺ مانتے ہیں اور ضروری مانتے ہیں تو یقین رکھئے کہ جس صحرائے پر خار میں آپ گامزن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے راستہ سے جنت کا دروازہ بہت ہی نزدیک ہے۔

کامیابی کا آفتاب ہمیشہ مصائب وآلام کی گھٹاؤں کو پھاڑ کر نکلا ہے۔ اور اعلیٰ تمناؤں کا چہرہ ہی سخت سے سخت صعوبتوں کے جھرمٹ میں دکھائی دیا ہے۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوامن قبلکم مستهم الباسآء والضرآء وزلزلواحتیٰ یقول الرسول والذین آمنوا معه متیٰ نصر الله الا ان نصر الله قریب ،(البقرہ:۲۱۴)"کیا تم کو یہ خیال ہے کہ تم جنت میں جا گھسو گے اور تمہیں اس طرح کے حالات پیش نہ آئیں گے جو کہ تم سے پہلے لوگوں کو پیش آئے۔ ان کو سختیاں اور اذیتیں پہنچی اور وہ اس قدر جھڑ جھڑائے گئے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھ کے مومنین بول اٹھے کہ خدا کی مدد کہاں ہے؟ یاد رکھو کہ خدا کی مدد نزدیک تر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یعلم الله الذین جاهدوا منکم ویعلم الصابرین . (آل عمران)

"کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے بدوں اس کے کہ اللہ جانچ کرے تم میں سے مجاہد اور صابرین کی"

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امناوھم لا یفتنونo ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین. (العنکبوت)

یہ حق تعالیٰ جل شانہ کی سنت مستمرہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدل وتغیر کو راہ نہیں۔ کوئی قوم اللہ جل شانہ کی محبت اور اس کے راستہ پر چلنے کی مدعی نہیں ہوئی جس کو امتحان وآزمائش کی کسوٹی پر نہ کسا گیا ہو۔ خدا کے برگزیدہ اور الوالعزم پیغمبر جن سے زیادہ خدا کا پیار کسی پر نہیں ہوسکتا۔ وہ بھی مستثنیٰ نہیں رہے۔ بے شک ان کو مظفر ومنصور کیا گیا مگر کب؟ سخت ابتلاء اور زلزال شدید کے بعد۔

وہ خود فرماتے ہیں کہ

حتیٰ اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاء ھم نصرنا فنجی من نشاء ولا یرد باسنا عن القوم المجرمین (سورۃ یوسف)

''پس اے فرزندان توحید! میں چاہتا ہوں کہ آپ انبیاء مرسلین اور ان کے وارثوں کے راستہ پر چلیں اور جو لڑائی اس وقت شیطان کی ذریت اور خدائے قدوس کے لشکروں میں ہو رہی ہے اس میں ہمت نہ ہاریں۔ اور یاد رکھیں کہ شیطان کے مضبوط سے مضبوط آہنی قلعہ خداوند قدیر کی امداد کے سامنے تارعنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے''

الذین اٰمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفرو یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیآء الشیطن ان کید الشیطان کان ضعیفاً.

''ایمان دار تو خدا کے راستہ میں لڑتے ہیں اور کافر شیطان کے راستہ میں، پس تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو بلا شبہ شیطان کی فریب کاری محض لچر و پوچ ہے''

میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں (جس کی آپ خود مشاہدہ فرمارہے ہیں آپ کی دعوت پر اس لئے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔

بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغہ سے بچاؤ۔ تو ان کے دلوں پر خوف وہراس مسلط ہو جاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامان حرب وضرب کا۔ حالانکہ ان کو تو سب سے زیادہ جاننا چاہیے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے اور دنیا کی متاع قلیل۔ خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی چنانچہ اس قسم کے مضمون کی طرف حق تعالیٰ جل شانہ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا ہے۔

الم ترالی الذین قیل لھم کفواً ایدیکم واقیمو الصلوٰۃ واٰتوازکوٰۃ فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ اواشد خشیۃ وقالو ربنا لم کتبت علینا القتال لو اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ اواشد خشیۃ وقالو اربنا لم کتبت علینا القتال لو لا اخر تنا الی اجل قریب قل متاع الدنیا قلیل والاخرۃ خیر لمن التقی ولا تظلمون فتیلاط اینما تکونو ایدرکم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃٍط (النساء)

”کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا اپنے ہاتھ کو روکو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو یکا یک ان میں کا ایک فریق ڈرنے لگا آدمیوں سے خدا کے برابر یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگا کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم پر جہاد فرض کیا اور کیوں تھوڑی مدت ہم کو اور مہلت نہ دی۔ کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور

آخرت اس شخص کے لئے بہتر ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں کہیں تم ہو موت تم کو آدبوچے گی اگرچہ تم نہایت مستحکم قلعوں میں ہو"

اے نونہالان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار جس سے میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا۔ اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتلائیں۔ لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ حسب قدر میں بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں۔ اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے۔

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند گلے آدم بسر شتدو بہ پیمانہ زدند
ساکنان حرم سر عفاف ملکوت بامن راہ نشین بادہ مستانہ زدند
شکر ایزد کہ درمیان من واوصلح فتاد حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند
جنگ ہفتا دو دو ملت ہمارا عذر بنہ چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں۔ وہ جانتے ہونگے کہ میرے اکابر سلف نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا ہاں یہ بیشک کہا گیا کہ اگر انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں۔ یا حکومت وقتیہ کی پرستش کرنے لگیں۔ تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کا جاہل رہنا ہی اچھا ہے اب از راہ نوازش آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ تعلیم سے روکنا تھا یا اس کے اثر بد سے۔ اور کیا یہ وہی بات نہیں ہے کہ جس کو آج مسٹر گاندھی اس طرح ادا کر رہے ہیں۔ کہ ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھی صاف اور شفاف دودھ کی طرح ہے

جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہو۔ بارے خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری قوم کے نوجوانوں کو توفیق دی۔ کہ وہ اپنے نفع وضرر کا موازنہ کریں اور دودھ میں جو زہر ملا ہوا ہے اس کو کسی بھبکہ کے ذریعہ سے علیحدہ کرلیں آج ہم وہی بھبکہ نصب کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور آپ نے مجھ سے پہلے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ بھی مسلم نیشنل یونیورسٹی ہے مطلق تعلیم کے فضائل بیان کرنے کی ضرورت اب میری قوم کو نہیں ہے کیونکہ زمانہ نے خوب بتا دیا ہے کہ تعلیم سے ہی بلند خیالی تدبر اور ہوش مندی کے پودے نشوونما پاتے ہیں اور اسی کی روشنی میں آدمی نجاح وفلاح کے راستہ پر چل سکتا ہے ہاں ضرورت اس کی ہے کہ وہ تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور اغیار کے اثر سے بالکل آزاد ہو کیا باعتبار وخیالات کے اور کیا باعتبار اخلاق واعمال کے اور کیا باعتبار اوضاح واطوار کے ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں۔

ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں کے غلام نہ پیدا کرتے رہیں بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہیں بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے اور ان عظیم الشان مدارس کے جنہوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا اس سے پیشتر کہ ہم اس کو اپنا استاد بناتے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ بغداد میں جب مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ایک اسلامی حکومت کے ہاتھوں سے رکھی گئی ہے تو اس دن علماء نے جمع ہو کر علم کا ماتم کیا تھا کہ افسوس آج سے علم حکومت کے عہدے اور منصب حاصل کرنے کے لئے پڑھا جائے گا تو کیا آپ ایک ایسے کالج سے فلاح قومی کی امید رکھتے ہیں جس کی امداد اور نظام میں بڑا زبردست ہاتھ ایک غیر اسلامی حکومت کا ہو۔

ہماری قوم کے سربرآوردہ لیڈروں نے سچ تو یہ ہے کہ امت اسلامیہ کی ایک بڑی اہم ضرورت کا احساس کیا ہے بلاشبہ مسلمانوں کی درسگاہوں میں جہاں علوم عصریہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہو اگر طلباء اپنے اصول وفروغ سے بے خبر ہوں اور اپنی قومی محسوسات اور اسلامی فرائض فراموش کردیں اور ان میں اپنی ملت اور اپنی ہم قوموں کی حمیت نہایت ادنیٰ درجہ پر رہ جائے تو یوں سمجھو کہ وہ درس گاہ مسلمانوں کی قوت کو ضعیف بنانے کا ایک آلہ ہے اس لئے

اعلان کیا گیا ہے کہ ایک آزاد یونیورسٹی کا افتتاح کیا جائے گا جو گورنمنٹ کی اعانت اور اس کے اثر سے بالکل علیحدہ اور جس کا تمام تر نظام عمل اسلامی خصائل اور قومی محسوسات پر مبنی ہو۔

مجھے لیڈروں سے زیادہ ان نونہالان وطن کی ہمت بلند پر آفرین اور شاباش کہنا چاہیے جنہوں نے اس نیک مقصد کی انجام دہی کے لئے اپنی ہزاروں امیدوں پر پانی پھیر دیا اور باوجود ہر قسم کی طمع اور خوف کے وہ موالات نصاریٰ کے ترک پر مضبوطی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے اور اپنی عزیز زندگیوں کو ملت اور قوم کے نام پر وقف کر دیا۔

شاید ترک موالات کے ذکر پر اس مسئلہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہو جائیں اور ان عامۃ الورود سوالات اور شبہات کے دلدل میں پھنسنے لگیں جو اس بہت ہی اہم و اعظم مسئلہ کے متعلق آج کل عموماً زبان زد ہیں اس لئے میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ آپ تھوڑا سا وقت مجھ کو اس تحریر کے سنانے کے لئے عنایت فرما دیں جو میں نے بعض مسائل کے دریافت کئے جانے پر دیوبند سے بھیجی تھی۔

اب میری یہ التجا ہے کہ آپ سب حضرات بارگاہ رب العزت میں نہایت صدق دل سے دعا کریں کہ وہ ہماری قوم کو رسوا نہ کرے اور ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنائے اور ہمارے اچھے کاموں میں ہماری مدد فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين وصلى الله على خير خلقه محمد وٰاله واصحابه اجمعين o

آپ کا خیر اندیش بندہ محمود عفی عنہ

ترجمہ قرآن شریف

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا عظیم الشان علمی، تاریخی کارنامہ

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا یہ بہت بڑا علمی کارنامہ ہے جس کی افادیت اور عمومیت ہندوستان کی حدود سے متجاوز ہوگئی ہے اور اب یہ مبارک تحفہ دنیا کے چپے چپے پر موجود ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس کی تاریخ ذرا تفصیل سے بیان کریں۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس ترجمہ قرآن پاک کی وجہ تصنیف یا تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

''بعض احباب ومکرمین (حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ) نے بندہ سے درخواست کی کہ قرآن پاک کا ترجمہ سلیس اور مطلب خیز اردو زبان میں مناسب حال اہل زمانہ کیا جائے جس سے دیکھنے والوں کو فائدہ پہنچے۔'' (مقدمہ ترجمہ قرآن شریف)

جتنا (اس کام کو) حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے ٹالتے رہتے، اتنا ہی اہل علم کا اصرار بدستور جاری رہتا۔ الحاصل آپ نے ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (اپریل ۱۹۰۹ء) کو ترجمہ قرآن مجید کی ابتدا فرمائی۔ اس وقت آپ دارالعلوم دیوبند میں مقیم تھے۔ درس وتدریس اور ارشاد وتلقین سے جس قدر وقت بچتا آپ ترجمہ قرآن مجید پاک پر صرف فرماتے تھے۔ اس طرح ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ (۱۱ جون ۱۹۱۲ء) تک سوا تین سال میں دس پاروں کا ترجمہ مکمل ہوا۔

۱۳۳۳ھ کو آپ نے عزم بیت اللہ فرمایا اور وہاں سے آپ کو گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا گیا، وہاں آپ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (۲۲ فروری ۱۹۱۷ء) کو پہنچے اور شوال ۱۳۳۵ھ کو آپ نے پھر قرآن پاک کے ترجمہ کا کام شروع کر دیا۔ صبح کو وظائف سے فارغ ہو کر دن

کے اول حصے میں آپ قرآن پاک کا ترجمہ یا اس پر نظر ثانی کرتے اور جہاں کہیں بحث طلب مقامات آتے وہاں اپنے رفقائے جیل شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، مولانا عزیر گل صاحب رحمہ اللہ سے گفتگو اور تبادلہ خیال کرتے، اس طرح ایک سال کی قلیل مدت میں بقیہ بیس پاروں کا ترجمہ مکمل کیا ۲ شوال ۱۳۳۶ھ (۱۲ جولائی ۱۹۱۸ء) کو آپ کو قید فرنگ سے آزادی ملی اور آپ ہندوستان تشریف لے آئے۔

جس وقت آپ (مالٹا سے) واپس تشریف لا رہے تھے تو سمندر میں بے پناہ طوفان آیا اور جہاز کی سلامتی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ تب آپ نے قرآن پاک کے اس مسودے کو محفوظ کر کے حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے سینہ سے بندھوادیا۔ اس وجہ سے کہ وہ تیرنا جانتے تھے اور فرمادیا کہ اگر تم بچ گئے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کی اشاعت کا کوئی بندوبست فرمادے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس ترجمہ کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"اس لیے اس ننگ خلائق کو یہ خیال ہوا کہ حضرت (شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی) کے مبارک مفید ترجمے میں لوگوں کو جو کل دو خلجان ہیں یعنی ایک بعض الفاظ ومحاورات کا متروک ہو جانا، دوسرے بعض بعض مواقع میں ترجمہ کا مختصر ہو جانا، جو اصل میں تو ترجمہ کی خوبی تھی مگر ابنائے زمانہ کی سہولت پسندی اور مذاق طبیعت کی بدولت اب یہاں تک نوبت آگئی، جس سے ایسے مفید وقابل قدر ترجمے کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، سو اگر غور واحتیاط کے ساتھ ان الفاظ متروکہ کی جگہ الفاظ مستعملہ لے لیے جائیں اور اختصار واجمال کے موقعوں کو تدبر کے ساتھ کوئی مختصر لفظ زائد کر کے کچھ کھول دیا جائے تو پھر ان شاء اللہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ صدقہ فاضلہ بھی جاری رہ سکتا ہے اور مسلمانانِ ہند بھی ان فوائد مخصوصہ سے خالی نہ رہ جائیں گے۔ اس مضمون کو سوچ سمجھ کر جو اپنے مکرمین ومخلصین کی خدمت میں پیش کیا تو ان حضرات نے بھی اس عاجز کی رائے سے اتفاق ظاہر فرمایا۔" (مقدمہ ترجمہ قرآن

شریف)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے بجائے جدید ترجمہ کرنے کے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کے ترجمے کی حفاظت فرمائی اور قدیم ترجمہ کے الفاظ کو جدید لباس عطا کر دیا۔ اسی نقطہ نظر کو حضرت رحمہ اللہ نے فوائد وحواشی میں بھی ملحوظ رکھا ہے۔

تاریخ طباعت: حضرت مولانا مجید حسن صاحب رحمہ اللہ نے عرض ناشر میں بیان فرمایا ہے۔

''۱۲ ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۲۳ء کو میری قسمت کا ستارہ چمکا اور بصد مشکل حضرت مولانا رحمہ اللہ کے ورثا سے اس دولت دارین کو باضابطہ طور پر حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ مشتاق نگاہیں بے تاب، تشنگانِ ہدایت مضطرب اور تقاضے شدید تھے اس لیے فوراً ہی پہلے ایڈیشن کی طباعت میں انتظام (۱۹۲۵ء میں) شروع کر دیا گیا تھا اور ۲۶ پاروں کے حواشی جو حضرت شیخ الہند اپنی حیات میں پورے نہ فرما سکے تھے ان کی جگہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کے حواشی سے پر کر دی گئی تھی جو بہت مختصر تھے۔ مگر اب دوسرے ایڈیشنوں میں اس کمی کو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے ذریعے پورا کرا کر شائع کیا جا رہا ہے۔''

مولانا مجید حسن صاحب رحمہ اللہ مالک اخبار مدینہ، متقی، پرہیزگار اور پرانی وضع کے سچے اور پکے مسلمان ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے وصال (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کے بعد مولوی مجید حسن صاحب رحمہ اللہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر جناب نصر اللہ خان عزیز رحمہ اللہ سابق ایڈیٹر مدینہ نے یہ دی تھی کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ترجمہ قرآن پاک رکھا ہے۔ آپ کسی طرح اس کو طبع کرائیں۔ یہ تعبیر سن کر مولوی صاحب موصوف کو لگن لگ گئی۔ چنانچہ دیوبند پہنچ کر کسی نہ کسی طرح مبلغ سات ہزار روپے میں باضابطہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ورثا سے یہ ترجمہ حاصل کیا۔

ناشر ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ کا اشاعت ترجمہ کیلئے کیا ذہن تھا اس کی تفصیل ان کے اس بیان سے ہوتی ہے۔

میں قرآن مجید کی جو خدمت کر رہا ہوں خدا بہتر جانتا ہے۔ وہ خالصتاً لوجہ اللہ ہے۔ قرآن مجید کی موجودہ اشاعت پر پچاس ہزار روپے خرچ آیا ہے۔ اس حساب سے دس روپے

فی کلام مجید غیر مجلد لاگت ہوئی۔ دو روپے جلد سازی پر فی کلام مجید صرف ہوتا ہے۔ گویا بارہ روپے فی کلام مجید مصارف آئے ہیں اور پندرہ روپے میں ہدیہ کیا جا رہا ہے اور تین روپے فی کلام مجید کا منافع اس وقت حمائل شریف کی تیاری پر صرف ہو رہا ہے۔ اس سے آپ میری ذاتی اغراض اور شخصی منافع کا حال معلوم فرما سکتے ہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ میرے ذاتی منافع کا تعلق دوسرے کاروبار سے ہے قرآن مجید سے نہیں اور میں اس خدمت کو خالصتاً لوجہ اللہ انجام دے رہا ہوں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ترجمہ قرآن کی اشاعت دوم اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے حواشی کی طباعتِ اوّل کیسے ہوئی؟

حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے مشورے سے یہ کام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کے سپرد کیا گیا۔ حضرت علامہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے تو اس کام پر معاوضہ لینے کی ضرورت نہیں ہے البتہ میرے دو معین کار ہوں گے ان کی مدد کرنا ہوگی۔ چنانچہ دو سو روپے فی پارہ کے حساب سے کام شروع کرایا گیا۔ حضرت علامہ موصوف رحمہ اللہ نے ہر مہینے میں ایک پارے کے فوائد تیار کر کے بھیجنا شروع کر دیے اس طرح دو سال دو مہینے میں فوائد مکمل ہوئے۔

اس کے بعد قرآن کی کتابت کا نمبر آیا تو ہندوستان کے مایۂ ناز کاتبوں کی کتابت کے نمونے منگائے گئے۔ مولوی صاحب موصوف رحمہ اللہ چوں کہ خود بھی بہت اچھے کاتب ہیں، اس لیے بہت دیکھ بھال کے بعد عربی خط کے لیے جناب محمد قاسم صاحب انبالوی کو اور اردو خط کے لیے جناب منشی عبد القیوم خاں صاحب مراد آبادی کو منتخب کیا اور کام شروع کرا دیا گیا۔

اس کے بعد نہایت کثیر رقم صرف کر کے بلاک تیار کرائے گئے اور مل سے اسپیشل سائز کا کاغذ تیار کرایا گیا۔ مشین پر کام کرنے والے تمام ملازمین کو حکم تھا وہ ہر وقت باوضو رہیں۔ مولوی مجید صاحب رحمہ اللہ سے بڑھ کر ان کی اہلیہ محترمہ مرحومہ نے اس قرآن پاک کی طباعت سے خاص دل چسپی رکھی۔ ہر وقت ان ملازمین کے کھانے پینے، ناشتہ دودھ وغیرہ کا انتظام کیا۔ گویا بڑے لاڈ پیار اور (اللہ آمین) کے بعد یہ قرآن پاک طبع ہوا۔

متوسط سائز کی طباعت کے بعد حمائل شریف اور اس کے بعد بڑے سائز کے قرآن پاک کی طباعت کا نمبر آیا۔ ان کے بلاک تیار کرائے گئے ۔ غرض کہ مولوی صاحب رحمہ اللہ موصوف جو کچھ کماتے رہے اس کے بیشتر حصے کو اسی قرآن کی نشر و اشاعت پر صرف کرتے رہے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ترجمہ کا یہ قرآن پاک دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا اور اس ادارہ مدینہ کی شہرت میں چار چاند لگا دینے کا باعث بنا۔

پاکستان کا قومی تحفہ:

تقسیم برِصغیر کے بعد پاکستان والوں نے پہلے تو اس کو ہانگ کانگ میں طبع کرایا۔ اور پھر خود پاکستان ہی میں چھاپنا شروع کر دیا۔ پاکستان نے اس کی طباعت کا یہاں تک اہتمام کیا اور طباعت میں اس کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ اب یہی قرآن پاک پاکستان کا قومی تحفہ قرار دے دیا گیا۔

افغانستان نے بھی اس قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کرا کر نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع کیا۔ حاصل یہ ہے کہ دنیائے طباعت واشاعت میں جتنی عمومیت اور مقبولیت اور شہرت اس ترجمہ قرآن پاک اور فوائد عثمانی کو حاصل ہوئی کسی دوسری کتاب کو نہیں ۔ یہ قرآن پاک جہاں ایک پھونس کے چھونپڑے میں ملتا ہے وہاں شہنشاہوں کے محلات کی بھی زینت بنا ہے اور یہ سب کچھ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے خلوص کا نتیجہ ہے اور موصوف کی یہ اتنی بڑی کرامت ہے کہ اولیائے عظام کی کراماتوں کی فہرست میں سرفہرست مقام حاصل کرنے کی مستحق ہے۔

(افادات: تذکرۃ شیخ الہند از مولانا عزیز الرحمٰن......ص ۱۳۱،۱۲ بشکریہ مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلام کراچی)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی دیگر تصانیف:

۱۔ الابواب والتراجم: بخاری شریف کے ابتدائی چند ابواب کی مختصر شرح ہے۔

۲۔ تصحیح ابی داؤد شریف دورانِ تدریس حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو کتابت اور اختلافِ عبارت کی خامیاں معلوم ہوئیں آپ نے بعد ازاں ابو داؤد شریف کا ایک صحیح نسخہ ترتیب دے دیا۔

۳۔ حاشیہ مختصر المعانی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو اس کیلئے فرمائش کی گئی اس پر حضرت نے یہ اہم علمی کام سرانجام دیا۔۔

۴۔ فتاویٰ: دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے تمام فتاویٰ پر الجواب صحیح کے بعد آپ رحمہ اللہ کے دستخط ضرور ہوتے تھے۔

۵۔ ان کے علاوہ حضرت نے مسئلہ تقلید پر ۳ کتب (۱) ادلہ کاملہ (۲) ایضاح الادلہ اور (۳) احسن القریٰ کے عنوانات سے بھی لکھیں۔

۶۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے حدیث کی مشہور کتاب ترمذی شریف کے حواشی بھی لکھے جو الورد شذی کے نام سے مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔

۷۔ کلیات شیخ الہند رحمہ اللہ حضرت کے منظوم کلام کا مجموعہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تحریک کا تعارف امامِ انقلاب

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے قلم سے

ہمارے دوست عام طور پر جانتے ہیں کہ جب سے ہم ہند میں (جلاوطنی ختم کر کے) واپس آئے ہم نے کسی سیاسی جماعت سے پورے اشتراک کا کبھی ارادہ نہیں کیا، بلکہ ایک ایسی فکر کی دعوت دیتے رہے جو ملک کی عام ذہنیت سے دور ہے۔ ہمارا دعوی ہے کہ جو پارٹی امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی فلاسفی پر بنے گی وہی وطنی ملی ضرورتیں پوری کرے گی۔ ہمارا یہ فکر اور زمانے کی وہ فضا کہ اہل علم بھی نہیں جانتے کہ امام ولی اللہ رحمہ اللہ واقعی فلاسفر تھے۔ یا انھوں نے کوئی ایسا سیاسی تخیل پیدا کیا ہے جو آج جمہور کے ترقی کن طبقے کے مزاج سے سازگار ہو سکتا ہے۔

آخر میں مفکرین کا ایک خاص حلقہ سنجیدگی سے ادھر متوجہ ہوا۔ وہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ ہند جیسے براعظم میں اگر ایک ایسی سوسائٹی جو خاص فکر لے کر پیدا ہوتی ہے اور تخمینا سات سو سال کی جدوجہد سے اپنے لیے عالم گیر ترقی کا پروگرام بنا لیتی ہے کیا اس عظیم الشان جماعت کی تمام ضرورتیں کسی ایسی نیشنل پارٹی کی تشکیل سے پوری ہو سکتی ہیں جو امام ولی اللہ رحمہ اللہ کے فلسفے اور سیاست سے اساسی تعلق رکھتی ہو۔

ان کے افکار میں ہلکا سا تموج (حرکت) پیدا کرنے کے لیے ہم نے پہلے امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف کرایا اس کے بعد ان کی سیاست کا، ہم امام ولی اللہ رحمہ اللہ کو الہیات میں اور اقتصادیات میں ایک مستقل امام فرض کر کے مضامین لکھتے ہیں۔ پہلے رسالے میں بھی اگرچہ بعض خیالات نئے تھے مگر انھیں ناقابل برداشت نہیں سمجھا گیا۔ البتہ دوسرے رسالے میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں مختلف جماعتوں کے مزاحمت کا کافی سامان موجود ہے۔

جس قدر احزاب پہلے سے امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہیں یا جس قدر جماعتیں ان کی مخالف تحریکوں کو چلاتی ہیں اور اپنے تفوق (بالادستی) کا دعوی بھی رکھتی ہیں ان کے افکار سے اس رسالے میں تعرض نہ کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ اس لیے نسبتا اس پر زیادہ توجہ ہو رہی ہے۔

ہمارے بعض دوستوں نے مشورہ دیا تھا۔ کہ اسی سیاسی رسالہ میں بہت سے نئے خیالات ہیں۔ ہم جلدی نہ کریں، اہل علم کو سوچنے کا موقع دیں۔ اس لیے سال بھر ہم خاموش رہے۔ اس عرصے میں ہم نے نیا رسالہ مرتب کیا ہے جس میں امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی تصانیف سے مختلف فوائد بغیر کسی حاشیہ آرائی کے جمع کر دیے ہیں۔ اس کے شائع ہونے پر اہل علم کے لیے غور کرنے میں آسانی ہوگی۔ لیکن بعض عزیز دوستوں کا تقاضا ہے کہ ہم اس موضوع پر ایک مقالہ ضرور لکھیں جس سے بعض غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ اس لیے مناظرے یا مجادلے سے بچ کر اپنے مطالب کی توضیح کے لیے ہم نے یہ تبصرہ تیار کر دیا ہے۔ اگر اس طرح ہم بعض دوستوں کے ذہنی انتشار کو کم کر سکتے ہیں تو ہم اسے خدا کا خاص فضل سمجھیں گے۔

واللہ ہو المستعان

(۱) حکیم الہند امام ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ:

چوں کہ عقلی اجتماعی اصول پر تاریخِ ہند کا مطالعہ کرنے میں ہم کسی مورخ کو امام نہیں مانتے اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ جس فلسفے کا ہم تعارف کراتے ہیں۔ اس کی ماہیئت، اور جس زمین اور زمان سے ہم اسے ربط دیتے ہیں اس کے متعلق اپنا طرز تفکر صراحتاً بیان کر دیں، تاکہ ہمارا نظریہ سمجھنے میں اصطلاحی اختلاف سے غلط فہمی نہ ہو سکے۔

الف۔ جب انسانیت کا ایک حصہ کسی بڑے قطعہ زمین میں لمبی مدت تک مل جل کر رہتا ہے اور قدرت الٰہیہ اس کی طبعی ترقی کے ساتھ عقلی اور اخلاقی بلندی کا سامان بھی بہم پہنچاتی ہے یعنی اس میں انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ کے ساتھ اصلح سلاطین اور حکام بھی پیدا ہوتے ہیں۔ یا حکما اور شعرا کے ساتھ عدالت شعار بادشاہ اور بلند ہمت سپاہی بر سرکار آتے ہیں۔ اس طرح وہ بڑی قوم ترقی کے تمام مدارج طے کرتی ہے۔ اپنی حکومت کا نظام بناتی ہے۔ جس سے ظلم کی بیخ کنی ہو۔ شہر بساتی ہے، علم و ہنر پھیلاتی ہے جس سے رفاہیت عامہ کا سامان بہم پہنچتا ہے۔ اس کی ہمسایہ قومیں اس کی رفاقت اور سرپرستی میں اپنی فلاح سمجھتی ہیں، اگر اس کی اجتماعی تاریخ کو انسانیت کے عام پسند عقلی افکار و اخلاق پر مرتب کیا جائے تو اسے ''حکمت الادیان'' یا ''فلسفہ تاریخ'' کہا جائے گا۔

ب۔ہم ہند کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ مسیحی تاریخ کے دوسرے ہزار سے سے شروع کرتے ہیں۔۱۰۰۱ء میں سلطان محمود غزنوی نے ہند کا مشہور قلعہ ''ہنڈ'' فتح کیا اور لاہور کے ہندو راجہ کے نومسلم نواسے کو اس کا حاکم بنایا۔جس طرح امیر المومنین فاروق اعظم نے مدائن فتح کر کے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اس کا پہلا حاکم بنایا تھا۔

ج۔ ہنڈ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر اٹک کے قریب واقع ہے۔اس سر زمین کے عام باشندے پشتو بولتے ہیں۔پشتان یا پٹھان ہندوکش سے بحر عرب تک ہند کے شمال مغربی پہاڑوں اور میدانوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔کابل،غزنی،قندھار، پشاور، کوئٹہ اس کے مشہور شہر ہیں۔چوں کہ علمی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ پشتو بھی کشمیری، پنجابی، سندھی کی طرح سنسکرت کی شاخ ہے۔اس لیے ہم اس قوم کو ہندوستانی اقوام میں شمار کرتے ہیں۔اس قوم نے دوابہ گنگ وجمن میں ایک وسیع خطے کو اپنا وطن (روہیل کھنڈ) بنایا ہے۔

(۲) سلطان محمود غزنوی سے شروع کر کے امیر تیمور کے حملے تک ہم ہندوستانی تاریخ کا پہلا دور مانتے ہیں۔اور امیر تیمور سے بہادر شاہ تک دوسرا دور۔دوسرے دور میں عالم گیر کے بعد تنزل شروع ہوا۔عموماً تنزل شروع ہونے کے بعد ہی قوموں کا فلسفہ معین ہوتا ہے، ہمارے امام الائمہ رحمہ اللہ بھی اسی عہد کے امام الانقلاب ہیں۔

الف۔کسی عقلی یا مذہبی تحریک کو کسی خطہ زمین کی طرف منسوب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مرکز اس میں پیدا ہو چکا ہو۔

ب۔امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کابل فتح ہوا اور ولید ابن عبد الملک کے زمانے میں سندھ فتح ہوا مگر اسے ہم خلافتِ عربیہ کا ایک حصہ مانتے ہیں یہاں ہندوستانیت کا ذکر نہیں ہو سکتا۔

ج۔سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ نے اسلام کے لیے ہندوستانی مرکز کی بنیاد قائم کردی۔وہ انہل واڑہ میں اپنا مرکز منتقل کرنا چاہتے تھے۔خلیفۃ المسلمین نے سقوط بغداد سے تھوڑا عرصہ پہلے دہلی کے حکمران کو سلطانی اختیارات استعمال کرنے کی اجازت دی، گویا خلافت اسلامیہ کے اندر ہندوستانی مرکز بیرونی تعلق سے آزاد ہو گیا۔سکندر لودھی نے غالبا

پہلی مستقل حکومت بنائی ۔ اس نے آگرہ بسایا۔ ہندوؤں کو فارسی پڑھا کر دفتروں کے کام میں دخیل بنایا۔ اسکے بعد شیر شاہ نے مالی انتظام ہندوؤں کے سپرد کیا۔ جسے اکبر نے درجہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ ہم جلال الدین اکبر کو ہندوستانیت کا موسس نہیں مانتے۔

الف ۔ اکبر مذہبی عالم نہیں تھا۔ علماء اس کے ساتھ اخیر تک مشیر رہے۔ ان کی رہنمائی سے اگر اس نے غلطیاں کی ہیں تو۔ ''اثم علیٰ من افتا ده ''ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اگر اکبر نہ ہوتا تو عالم گیر جیسا مسلمان بادشاہ ہندوؤں کو نصیب نہ ہوتا، جس کی نظیر دنیا کے شاہی نظام میں نہیں ملتی ۔ ہم عالم گیر کی ہی برکت مانتے ہیں کہ امام ولی اللہ رحمہ اللہ جیسا (فلسفی) ہند میں پیدا ہوا۔

ب۔ امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ اکبری دربار کی اصلاح کرتے رہے اور اس میں وہ پورے کامیاب ہوئے ۔ آخر میں جہانگیر ان کا اتباع کرنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ جہاں ، امام ربانی رحمہ اللہ کے پسندیدہ طریقے پر حکومت چلاتا رہا۔ اس کے ہوتے ہوئے ہم جانتے ہیں کہ شاہ جہاں کا دربار انسانیت عامہ کو اسلام کا مرکز نہیں بنا سکا۔

ج۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ امام ولی اللہ رحمہ اللہ ، شاہ جہانی سلطنت سے بہترین نظام کی دعوت دیتے ہیں۔ گویا جس کام کی ابتدا امام ربانی رحمہ اللہ سے ہوئی اس کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی معرفت کرائی ۔ اس طرح ہم امام ولی اللہ رحمہ اللہ کو خاتم الحکماء مانتے ہیں۔

۴۔ امام ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے مختلف الہامات کا ذکر کیا ہے۔ ہم ان میں سے ایک حصہ کو خاص ترتیب سے لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الف ۔ امام ولی اللہ رحمہ اللہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا نے ہمیں ایسی تحریک کا امام بنایا جس کا عنوان ہے ''فک کل نظام'' (فیوض الحرمین) کیا یہ انقلاب نہیں ہے؟

ب۔ امام ولی اللہ رحمہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر ہماری تحریک فوراً کامیاب ہو جاتی تو امام کا خروج اور مسیح کا نزول متاخر ہو جاتا۔ مگر وہ آہستہ آہستہ اپنا دکھلائے گی (تفہیمات)۔ کیا یہ انقلابی پروگرام اس بڑے انقلاب کا قائم مقام نہیں ہے جس کے لیے مسلمانوں کے ساتھ یہود و نصاریٰ بھی صدیوں سے انتظار کر رہے ہیں

ج۔امام ولی اللہ رحمہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ ہماری اولاد کے پہلے طبقے میں علم حد یث پھیلے گا اور دوسرے طبقے میں علم حکمت کی اشاعت ہو گی (تفہیمات) کیا امام عبد العزیز رحمہ اللہ سے حدیث کا شیوع (پھیلاؤ) نہیں ہوا؟ کیا مولانا رفیع الدین رحمہ اللہ کی تکمیل الا ذہان اور مولانا محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی عبقات نے حکمت کا نیا اسکول نہیں قائم کر دیا۔

د۔امام ولی اللہ رحمہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ ہماری بیٹیوں کی اولاد سے افراد پیدا ہو ں گے۔جو ہمارے بیٹوں کے بعد ہمارا کام مکہ معظّمہ میں بیٹھ کر کریں گے۔(قولِ جمیل بحوالہ اتحاف النبلا) کیا الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ اور الصدر العمید مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ اس کا مصداق پیدا نہیں ہوئے؟

۵امام ولی اللہ رحمہ اللہ نے فیوض الحرمین میں خلافت کی دو قسمیں بتائی ہیں۔خلافت ظاہرہ،خلافتِ باطنہ۔

(الف) خلافت باطنہ میں امام ولی اللہ رحمہ اللہ حکومت کا وہ درجہ شامل مانتے ہیں جو تعلیم اور دعوت کے زور سے پیدا ہوتی ہے۔امام ولی اللہ رحمہ اللہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس قسم کی حکومت،اسلام نے قرآن عظیم کی دعوت کی تنظیم سے مکۂ معظّمہ میں پیدا کر لی تھی،اس کا ذکر فتح الرحمٰن میں سورۂ رعد کے آخر میں فیوض الحرمین میں موجود ہے۔

(ب) امام ولی اللہ رحمہ اللہ خلافت ظاہرہ کے لیے محاربہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ ملک کا خراج بہ زور وصول کر کے مستحقین کو پہنچانا،مصارف عامہ میں خرچ کرنا اور عدالت کا نظام بہ زور قائم کر کے مظلومین کی حمایت کرنا اس کے اہم اجزاء ہیں وغیرہ وغیرہ یہ خلافت، اسلام کے مدنی دور میں پیدا ہوئی۔

(ج) قولِ جمیل اور فیوض الحرمین بار بار پڑھنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ امام ولی اللہ رحمہ اللہ اپنے فلسفے میں تصوف کا سلسلہ اس لیے قائم کرتے ہیں کہ وہ خلافت باطنہ کے قیام کا وسیلہ بن جائے۔مولانا شہید رحمہ اللہ جب امیر شہید رحمہ اللہ کی فوجی طاقت کا ان کے محاربین سے مقابلہ کرتے ہیں تو امیر شہید رحمہ اللہ کے مبایعین (بیعت کرنے والے) کو سپاہی کا درجہ دیتے ہیں۔یہ اسی اصطلاح پر منطبق ہوسکتا ہے۔

(د) ہم نے یورپین انقلابی پارٹیوں کے نظام کا کافی مطالعہ کیا ہے اس سے ہمارے دماغ میں سیاسی پروگرام بنانے اور سمجھنے کا ملکہ پیدا ہوگیا ہے۔ ہم اگر امام ولی اللہ ؒ کی خلافت باطنہ کے فکر کو آج کے سیاست دانوں کے سامنے ذکر کریں گے تو اسے انقلابی پارٹی کا نام دیں گے جو عدم تشدد (نان وائیلنس) کی پابند ہو۔

(۶) امام ولی اللہ ؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے انہیں یوسف علیہ السلام کے قدم پر چلنے کے لیے مفطور (فطری طور پر پیدا) کیا ہے۔

(الف) یعنی وہ امت محمدیہ میں وہی کام کریں گے جو یوسف علیہ السلام ملت اسرائیلیہ میں کر چکے ہیں۔

(ب) ہم جانتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے ایک غیر اسرائیلی بادشاہ سے اختیارات حاصل کر کے اولاد یعقوب کی حکومت کا اساس قائم کیا تھا اسی یوسفی حکومت کی ایک برکت ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے تیار کر گئی۔

(ج) ہمارا خیال ہے کہ امام ولی اللہ ؒ اپنے زمانے میں دہلی کے بادشاہوں کو کسریٰ اور قیصر کا نمونہ جانتے تھے اس لیے ان کے سارے نظام کو بدلنا اپنا نصب العین بتلاتے رہے مگر عملی پروگرام فقط داخلی انقلاب سے شروع کیا تھا وہ امرائے سلطنت میں اپنا فکر پھیلا کر نظام سلطنت درست کرنا چاہتے تھے۔

(د) نجیب آباد کا مدرسہ اسی لیے حکمت الامام ولی اللہ ؒ کی درسگاہ بن گیا تھا۔ مرہٹوں کی شورش کو وہ احمد شاہ ابدالی کے ذریعے ختم کرا دیتے ہیں جن حضرات نے ہماری طرح امام ولی اللہ ؒ کی تحریک کا مطالعہ نہیں کیا جب وہ دیکھتے ہیں کہ امام ولی اللہ ؒ سلطانی اختیارات میں تبدیلی کی کوئی کوشش نہیں کرتے تو انہیں امام الانقلاب ماننے میں تامل کرتے ہیں۔

(۷) امام ولی اللہ ؒ خیر القرون کو شہادت عثمانؓ تک جو مبعث سے ۴۸ سال بعد واقع ہوئی محدود کر دیتے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء)

(الف) اسی زمانے کو وہ هوالذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق

ليظهره على الدين كله کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ ازالۃ الخفاء کے ابتدائی مباحث میں اسی آیت کی تفسیر پورے غور سے پڑھنی چاہیے امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی حکمت کا یہ مرکزی مسئلہ ہے۔

(ب) امام ولی اللہ رحمہ اللہ اس دور کے علمی وعملی کارنامے مسلمانوں کے مشورے اور اتفاق سے جاری مانتے ہیں۔ (یہ فکر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتابوں میں بھی ملتا ہے) اسی زمانے کو وہ نزول قرآن کے مقاصد کا نمونہ مانتے ہیں۔

(ج) امام ولی اللہ رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں اس دور کو انسان کی نیچرل ترقی کا آخری درجہ ثابت کرتے ہیں۔ باب الحاجة الى دين ينسخ الاديان غور سے پڑھنا چاہیے۔

(د) ہمارا خیال ہے کہ اس دور کی علمی اور عملی تاریخ جس قدر امام ولی اللہ رحمہ اللہ نے ضبط کر دی ہے وہ ہمیں کسی مصنف کی کتاب میں نہیں ملتی اسی لیے ہم امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتابیں بیت الحکمۃ میں پڑھانا چاہتے ہیں۔

(ھ) ہم سمجھتے ہیں کہ امام ولی اللہ رحمہ اللہ قرآن عظیم کی اس علمی اور عملی تعلیم کو انسانیت عامہ کے لیے انٹرنیشنل انقلابی پروگرام مانتے ہیں اس لیے ہم اس دور میں انہیں اپنا امام مانتے ہیں۔

(و) اگر (داس) کیپٹل کے مصنفین (اینگلز، کال مارکس) کو انقلاب کا باپ مانا جاتا ہے تو جس حکیم نے خیر القرون کی انقلابی تاریخ کو ہند کی علمی زبان میں عام عقلی اصول کے مطابق بنا کر ضبط کر دیا ہے اسے امام الانقلاب ماننا محض خوش اعتقادی پر مبنی نہیں سمجھا جائے گا۔ جب کہ اس نے یوسف علیہ السلام کی طرح انقلاب کا راستہ بھی صاف کر دیا ہو۔ (خطبہ محمودیہ)

(۸) امام ولی اللہ رحمہ اللہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہند کے مسلمانوں سے اپنی حکومت قائم کرنے کی طاقت اس وقت افاغنہ کی طرف منتقل ہو چکی ہے (خیر کثیر) ہم جانتے ہیں کہ افاغنہ (حضرت سندھی برِ صغیر کے شمال مغربی علاقوں کے لیے افاغنہ اور پشتونیہ کے نام استعمال کرتے تھے، انگریز کا دیا ہوا نام ''سرحد'' استعمال نہیں کرتے تھے) بھی ہندوستانی اقوام میں سے ایک قوم ہے جس میں ایرانی، ترکی، اسرائیلی، عربی قبائلی مخلوط ہو چکے ہیں۔

(الف) ہمارا خیال ہے کہ اسی غرض سے امام عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنی انقلابی پارٹی کو

افغانوں سے ملانا ضروری سمجھتے ہیں امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کے آخری کاموں کا مرکز الامیر الشہید اور مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کا اجتماع تھا۔ ان کے لیے افغانستان کی ہجرت کا فیصلہ امام عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کیا تھا اگرچہ عمل ان کی وفات کے بعد شروع ہوا۔

(ب) ہمیں معلوم ہے کہ مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کو رسول اللہ ﷺ سے روحانی طور پر معلوم ہوا تھا کہ افغانوں کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

(ج) مدرسۂ دیوبند اور اس کے متخرجین (تعلیم سے فارغ ہوکر) میں مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ کا مقام مخفی نہیں وہ تخمیناً چالیس برس مدرسہ چلاتے رہے ہیں ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ دیوبند نے جس قدر طالب علم یوپی میں پیدا کیے اس کے بعد اس نے اپنے طالب علم سب سے زیادہ افغانستان اور اس کے دونوں طرف یاغستان اور ترکستان مین پھیلائے ہیں

(د) مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ کی خاص تربیت کا نتیجہ تھا کہ ہم کابل میں سات سال حکومت کا اعتماد حاصل کر کے رہ سکے۔ ہمارا خیال ہے کہ جمعیۃ الانصار اور نظارۃ المعارف میں اگر کام نہ کر چکے ہوتے تو ہمارا کابل جانا محض بے کار ہوتا۔ عجب معاملہ ہے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے حکم سے ہمیں بغیر پروگرام کے کابل جانا پڑتا ہے پھر حکومت افغانی کے توسط سے ہمیں ہدایات مل جاتی ہیں۔ ہم باہر جا کر سمجھ سکے ہیں کہ امام عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تک ہمارے تمام اکابر ایک سلسلے میں کام کرتے رہے ہیں۔

(۲) سراج الہند امام عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ:

امام عبدالعزیز رحمہ اللہ ''بستان المحدثین'' میں مؤطا کا تذکرہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ حضرت شیخنا وقدوتنا فی کل العلوم والامور شیخ ولی اللہ قدس سرہ گویا وہ اپنے تمام علمی اجتماعی سیاسی امور میں اپنے والد ماجد کے مقتدی ہیں۔

(ا) جو انقلاب امام ولی اللہ رحمہ اللہ اپنے زمانے میں خواص سے مکمل کرانا چاہتے تھے۔ وہ اگر نہیں ہو سکا تو اسی مقصد کو امام عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے حالات زمانے کے مطابق عوام سے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ نصب العین مین کوئی فرق نہیں آیا۔

(۲) امام ولی اللہ رحمہ اللہ کے شروع زمانے مین یہ خیال صحیح تھا کہ دہلی کی سلطانی حکومت کو تسلیم کر کے امراء کے ذریعے سے خیر القرون کے نمونے کا پروگرام جاری کیا جائے۔ مگر امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں سلطانی حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ داخلی خارجی سارے نظام بدلنے کے سوا کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے ہند کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا۔

(الف) اس کامل انقلاب کے لیے عام مسلمانوں کو تیار کرنا امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خاص کارنامہ ہے۔ انہوں نے عوام کو سیدھا مخاطب کرنا شروع کیا۔ ہندوستانی زبان میں علوم دینی کا ترجمہ امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اصحاب کا کام ہے۔

(ب) امام ولی اللہ رحمہ اللہ نے جس قدر تصانیف لکھی تھیں وہ فقط اعلیٰ طبقے کے کام آتی ہیں۔ ان کے مخاطب یا امراء ہیں یا اعلیٰ درجے کے اہل علم یا کامل المعرفت صوفیائے کرام مگر امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کشف وعقل کی عام فہم چیزیں نقلی علوم کی تفسیر میں استعمال کرتے ہیں۔ گویا اپنے والد کے علوم کو عوام کی زبان میں لکھتے ہیں۔ تفسیر فتح العزیز کو فتح الرحمٰن سے اور تحفہ اثناء عشریہ کو ازالۃ الخفاء سے ملا کر پڑھیے۔

(ج) ہمارا خیال ہے کہ الصدر الشہید مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ الصدر العمید مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ بلکہ امام اہل العقل مولانا رفیع الدین رحمہ اللہ اور امام اہل نقل مولانا عبدالقادر رحمہ اللہ سے اگر کوئی اجتماعی کام بن پڑا ہے تو اسے امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نامۂ اعمال میں لکھنا چاہیے۔

(د) الامیر الشہید کے مبایعین (بیعت کرنے والے) سب کے سب ان سے بیعت کرتے ہیں تو امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کے طریقے میں بیعت کرتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کے لیے یہی ایک کمال کفایت کرتا ہے کہ ان کی تربیت سے ہندوستانی مسلمانوں میں سے عوام بھی اپنی سلطنت سنبھالنے کے قابل ہو گئے۔

(۳) الصدر الشہید مولانا محمد اسماعیل الدہلوی رحمہ اللہ روح الانقلاب

مولانا شہید فرماتے تھے کہ میرا اس سے زیادہ کوئی کمال نہیں کہ میں اپنے دادا کی

بات سمجھ کر اسے اپنے موقع پر بٹھا دیتا ہوں۔

(ا) الف عبقات کے پہلے اشارے مین شیخ اکبر اور امام ربانی رحمہ اللہ کے مسالک وحدۃ الوجود اور وحدت الشہود کا فرق واضح کرکے ہر ایک فکر کے فوائد ضبط کرنے کے بعد امام ولی اللہ رحمہ اللہ کو دونوں بزرگوں سے بلند ثابت کیا ہے۔

(ب) صراط مستقیم میں الامیر الشہید کے مکتوبات اور ملفوظات لکھتے ہیں مگر امام ولی اللہ کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کے بعد گویا وہ ہر ایک امام کو امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی میزان پر تولنے کے بعد قبول کرتے ہیں۔

(۲) (الف امام ولی اللہ رحمہ اللہ نے خیر والقرون کے علوم تحریر کیے ہیں اور خواص کو پڑھایا اس کے بعد امام عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خواص کو تعلیم دے کر انہیں عوام کی تعلیم کا واسطہ بنایا الصدر الشہید نے ھند کی مرکزی سوسائٹی (معاشرائے دہلی) کو ان علوم سے رنگین بنایا۔

(ب) ہمارا خیال ہے کہ اگر الصدر الشہید کے ساتھیوں کی خدمات مقبول نہ ہوتیں تو امام ولی اللہ رحمہ اللہ کے علوم پر دو سو برس بعد بحث کرنا ناممکن ہو جاتا اسی انقلابی روح نے ان علوم کو زندہ کردیا۔

(۳) ہمارا خیال ہے کہ الصدر الشہید کو اگر خلافت کبریٰ سونپی جاتی ہے تو اسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح چلاتے امیر الشہید نے انہیں خدمت خلق کے اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگایا۔

(۴) ان کی کتاب تقویۃ الایمان میرے ابتدا بالاسلام کا واسطہ بنی ہے اس لیے وہ میرے مرشد اور امام ہیں۔

(۴) امام محمد اسحاق الدہلوی رحمہ اللہ الصدر الحمید نائب الامیر الشہید

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مولانا محمد اسحاق دہلوی مہاجر رحمہ اللہ یہ کہ تمام ھندوستان کے علمائے محدثین کے استاذ واستاذ زادہ نواسہ وشاگرد وخلیفہ مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

(ا) الف ایک انقلابی تحریک میں پہلا درجہ ہے سوسائٹی میں انقلاب کیلئے عقلی نظام (فلسفہ) سوچنا اس درجے کو ہم امام ولی اللہ رحمہ اللہ مین منحصر مانتے ہیں

(ب) اس کے بعد دوسرے درجہ اس کے پروپیگنڈے کا ہے پروپیگنڈے کی کامیابی پر پارٹی کا نظام بنتا ہے جو اپنے ممبروں پر حکومت پیدا کرتا ہے یعنی خلافت باطنہ اس درجے کو ہم امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کا کمال مانتے ہیں۔

(ج) اس کے بعد تیسرا درجہ دوسری پارٹیوں سے مقابلہ کرکے ان کے مقبوضات فتح کرنا ہے اس سے انقلابی حکومت (خلافت ظاہرہ) پیدا ہوتی ہے ہم امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی تحریک میں یہ درجہ امیر الشہید اور ان کے رفقاء میں محدود کردیتے ہیں۔

(۲) پارٹی کا نظام مستقل ہوتا ہے حکومت کبھی بنتی ہے کبھی ٹوٹتی ہے پارٹی کا وجود اس وقت تک سالم مانا جاتا ہے جب تک اس کی اساسی مصلحت قائم کرنے والی جماعت فنا نہیں ہوتی۔

(الف) اس فرق کو واضح کرنے کے لیے ہم نے امیر اور امام کی اصطلاح استعمال کی ہے ہم امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بعد پارٹی کے نظام کا محافظ امام محمد اسحاق رحمہ اللہ کو مانتے ہیں اور حکومت میں امیر المومنین السید احمد شہید رحمہ اللہ ہیں اس معاملے میں امام محمد اسحاق رحمہ اللہ ان کے ایک نائب ہیں۔

(ب) یورپ کی سیاسی پارٹیوں میں نظام کا محافظ ایک بورڈ ہوتا ہے اسے ڈسپلن یا انضباط کا نام دیا جاتا ہے اس بورڈ کا حکم پارٹی کے سب ممبروں پر نافذ ہوتا ہے۔ اور حکومت چلانا وزراء کا کام ہے اسی انداز پر ہم نے بالاکوٹ میں حکومت کا خاتمہ ایک حد تک مان لیا ہے مگر ہم پارٹی کے نظام کو دہلی میں محفوظ مانتے ہیں۔

(ج) امام محمد اسحاق نے مکہ معظمہ ہجرت کرلی بہ ظاہر وہ اپنے کام سے معطل ہوگئے مگر ایسا نہیں سمجھنا چاہیے اگر وہ مکہ معظّمہ میں ہندوستانی کام جاری نہ رکھتے تو کمپنی بہادر ان کی جاگیر کیوں ضبط کرتی اور بمبئی سے ایسے ہندوستانی کیوں بھیجے جاتے جو انہیں وہابی ثابت کرکے حجاز سے نکلوانا چاہتے تھے مگر قدرتی اتفاقات سے وہ بچ گئے اس زمانے کا شیخ الحرم ایک ہندوستانی مہاجر کا بیٹا تھا اور یہ خاندان شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا شاگرد اور مرید ہے اس لیے شیخ الحرم کے توسط سے ترکی حکومت نے اپنے گھر میں ایک طرح نظر بند کردیا وہ مسجد حرام میں نماز

پڑھتے تھے مگر کسی کو پڑھا نہیں سکتے تھے اس قسم کی زندگی ہم کابل میں گزار چکے ہیں اس لیے ہم مکہ معظّمہ میں ان کے ملنے والوں سے بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

(۳) الامیر امداد اللہ وج دیوبندی جماعت کے امام ہیں امام محمد اسحاق رحمہ اللہ کے خواص اصحاب میں سے تھے، اس پارٹی کے نظام کا تسلسل ہم مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تک ثابت کر سکتے ہیں۔

الصدر العمید مولانا محمد یعقوب الدہلوی رحمہ اللہ:

وہ اپنے بڑے بھائی کی ساتھ ان کے معاون بن کر کام کرتے رہے ہیں۔
امام محمد اسحاق رحمہ اللہ کی وفات پر وہی امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کی امانت کے محافظ رہے ہیں۔

(۱) مولانا مظفر حسین کے خلیفہ تھے جو مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ اور سرسید دونوں کے تسلیم شدہ بزرگ ہیں۔

(الف) نواب صدیق حسن خاں نے روایت حدیث کی اجازت مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ سے حاصل کی ہے۔

(ب) الامیر امداد اللہ رحمہ اللہ نے مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کو سلوک احسانی کا طریقہ مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ سے تلقین کرایا۔

(۲) ان کی وفات سے پہلے مدرسۂ دیوبند کے بانی ان کی امانت سنبھالنے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ یاد رہے کہ مولانا مظفر حسین رحمہ اللہ نے ہی مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کو منبر وعظ پر بٹھلایا تھا۔

امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی تحریک کا مستقل مرکز ان کے اتباع کے ہاتھ میں رہا ہے۔ اس سلسلے میں ایک محدود وقت تک ان کی اولاد بھی مرکزیت کی مالک رہی ہے لیکن ان سے اول وآخر اتباع ہی برسرکار رہے ہیں امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی زندگی مین ان کے سب سے بڑے معاون مولانا محمد امین کشمیری رحمہ اللہ اور مولانا محمد عاشق پھلتی رحمہ اللہ تھے۔ ان کی اولاد میں امام عبدالعزیز رحمہ اللہ سب سے بڑے ہیں اور سب کے استاذ۔ امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی وفات کے وقت وہ بھی اپنی طالب علمی پوری نہیں کر سکے تھے امام عبدالعزیزؒ نے امام ولی اللہؒ کے انہیں

خلفا سے اپنی علمی تکمیل کر لی تھی۔

امام عبدالعزیزؒ کے بعد تحریک کا مرکز اگر چہ پھر اتباع میں منتقل ہو گیا مگر اولاد کا دوسرا طبقہ بھی حصہ دار رہا ہے اس طبقے کے بعد تحریک کی مرکزیت اتباع کے مختلف احزاب میں تقسیم ہو گئی ہے۔

الامیر الشہید السید احمد قدس سرہ:

امام عبدالعزیزؒ کے بعد اتباع کا جو طبقہ تحریک کے مرکز کا مالک بنا ہے ان کے امام امیر شہیدؒ ہیں ان کی قوت کشفیہ نے عوام میں انقلابی لہر پیدا کر دی۔ امام عبدالعزیزؒ کے تیار کردہ علماء کو اور عوام کو ایک پروگرام کا پابند بنانا امیر شہیدؒ کا کمال ہے خدمت خلق اور اتباع سنت کے فطری اوصاف نے امامت اور امارت کے اعلیٰ رتبے پر پہنچا دیا تھا۔

(۱) امیر شہیدؒ کے ذاتی اوصاف اور کمالات میں ہم انہیں معصوم مان سکتے ہیں، ہماری تفتیش میں کئی صدیوں سے ان کی نظیر نظر نہیں آتی۔

(الف) ہم امام ولی اللہ رحمہ اللہ کے علوم میں نقل، عقل، کشف کے تطابق کو مابہ الامتیاز مانتے ہیں۔ ان سے متقدم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے علوم اور نقل کا تطابق پایا جاتا ہے۔ کشف سے وہ تعرض نہیں کرتے۔

(ب) امام ولی اللہؒ کے بعد اس درجہ کا کامل ہم فقط امام عبدالعزیزؒ کو مانتے ہیں امام عبدالعزیزؒ کے بعد ان کی مثل ہمیں کوئی نظر نہیں آتا۔ جس سے تینوں کمالات جمع ہو گئے ہوں۔

(ج) امام عبدالعزیزؒ کے شاگردوں کے پہلے طبقہ میں امام رفیع الدینؒ عقل و نقل کے جامع ہیں اور امام عبدالقادرؒ کشف و نقل کے جامع، دوسرے طبقے میں امام مولانا محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ عقل و نقل کے اول درجے پر جامع ہیں اور مولانا عبدالحئیؒ عقل و نقل کے دوسرے درجے پر۔

(د) مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ اور مولانا محمد اسماعیلؒ کے قران السعدین (دو نیک بختوں کا ملنا) کے ساتھ اگر کوئی کشف کا امام بھی مل سکے تو امام ولی اللہؒ کے واحد الی وجود کی دوسری مثال امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بعد اس اجتماع میں مل سکے گی۔

(۲) ہمارا یقین ہے کہ امیر شہید اس قدر سلیم الفطرت تھے کہ ان کی قوت کشفیہ

ہمیشہ سنت رسول اللہ ﷺ کے موافق رہی ہے انہیں خلافِ سنت کبھی الہام نہیں دیا گیا انہوں نے کافیہ تک کتابیں پڑھی تھیں۔ پھر قرآن عظیم کا ترجمہ اور صحاح کا درس شاہ عبدالقادرؒ سے سنتے رہے، اس طرح وہ کشف اور نقل کے جامع بن گئے۔

الف: جادۂ قویمہ کی حکومت ہند میں پیدا کرنے کا عزم امیر شہیدؒ میں فطری تھا اور خدمت خلق ان کا اخلاقی شعار ہے۔ جادۂ قویمہ حجۃ اللہ البالغہ اور مسویٰ پر عمل کرنے کا نام ہے۔

(ب) امام عبدالعزیزؒ نے الامیر الشہیدؒ کے ساتھ الصدر السعید اور الصدر الشہید ان تینوں بزرگوں کے مجموعے کو اپنا قائم مقام بنا کر اپنے متبعین سے ان کا تعارف کرایا ہے جس سے وہ انقلابی سوسائٹی کا مرکز بن گئے یاد رہے کہ اس سوسائٹی کے ایک رکن نے الصدر الحمید کو اپنے ساتھ رکھا جو انقلاب کی مرکزی روح کی محافظت کرے گا۔

(ج) یوسف زئی کے علاقے میں پہنچ کر جب امیر شہیدؒ امیر المومنین مانے گئے اور ہند مین امام ولی اللہؒ کے اتباع نے اس امارت کو تسلیم کرلیا تو وہ حکومت کے مالک ہو گئے۔

(۴) حکومت کی مصلحت میں ہماری تحقیق حزب کی آمریت (پارٹی کی ڈکٹیٹر شپ) تو مان سکتی ہے مگر کسی فرد کے ڈکٹیٹر بننے کو ہم قبول نہیں کر سکتے۔ اسے ہم شاور هم فی الامر کے خلاف سمجھتے ہیں اس کی تشریح ابو بکر رازیؒ کے احکام القرآن میں ملے گی حجۃ اللہ البالغہ کے بعد اگر کسی کتاب نے ہماری سیاسی بصیرت بڑھائی تو وہ یہی کتاب ہے۔

(الف) ہم اس حکومت کو حکومت موقعتہ کہتے ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ لاہور فتح کر کے یہ حکومت دہلی پہنچتی ہے تو مستقل حکومت کا فیصلہ اس وقت ہوگا یا تو شاہ دہلی اس انقلابی حکومت کے رئیس کو وزیر اعظم مان لیتا ہے اور ان کی پارٹی پارلیمنٹ مجلس شوریٰ بن جاتی ہے دوسری صورت میں یعنی اگر شاہ دہلی اس حکومت کو تسلیم نہ کرتا تو اسے معزول کر کے اس حکومت کا رئیس ملک کا حاکم ہوتا اور اس کی پارٹی اپنا قانون نافذ کرتی۔

(ب) کیا امام عبدالعزیزؒ کا خلیفہ، دہلی کو بھول سکتا ہے جس کو وہ حرمین اور قدس اور نجف کے بعد ساری دنیا سے افضل مانتے ہیں۔

(ج) مقامات طریقت جس سے سوانح احمدیہ کا مصنف بھی نقل کرتا ہے ہم نے مکہ

معظّمہ میں دیکھ ہے اس میں ایک واقعہ مذکور ہے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وکیل نے امیر الشہید سے پوچھا کہ اگر مہاراجہ اسلام قبول کر لے تو آپ کی حکومت ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گی امیر شہیدؒ نے جواب دیا کہ مہاراجہ بادشاہ ہوں گے اور میں اپنی بیٹی ان سے بیاہ دونگا محض دینی معاملات میں اس وقت تک اس کا نائب رہوں گا جب تک وہ شریعت کا حکم چلانا سیکھ لیں (او کمال قال) یہ وہ اساس ہے جس پر ہم امیر شہیدؒ کی حکومت کو حکومت موقعتہ (عبوری) کہنا جائز سمجھتے ہیں۔

د) مقامات طریقت میں مذکور ہے کہ امیر شہیدؒ کے اصحاب میں سے ایک مجاہد عالم جو پہلے بھی حاکم لاہور سے مل چکا تھا بالا کوٹ کے معرکے میں گرفتار ہو کر لاہور آیا حاکم نے اس مجاہد سے پوچھا اب خلیفہ کہاں ہے اس عالم نے جواب دیا میں خلیفہ ہوں ہم امام ولی اللہؒ کی تحریک کو مساوات اور جمہوریت کا نمونہ مانتے ہیں اس لیے ہم مسلم اور غیر مسلم سے اس کا تعارف کراتے ہیں۔

(۴) ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس وقت کی حکومتیں امیر شہیدؒ کی تحریک کو ناکام بنانے مین حصہ لیتی رہی ہیں۔

(الف) یہ حکومتیں حکومت لاہور سے ساز باز کر کے امیر شہیدؒ اور حکومت لاہور کو مصالحت کا موقعہ نہیں دیتی تھیں۔

(ب) جن مسلمانوں کو امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی تحریک سے مذہبی مخاصمت ہے جیسے شعیہ اور جہاں اہل سنت ان کے توسط سے امیر شہید کی جماعت میں انتشار پیدا کرتی ہے اس کی بعض مثالیں ہمیں مولانا حمید الدین مرحوم نے بتلائیں۔ (ج) جب سوانح احمدیہ کے مصنف (نسیم الدین) جیسا فدائی کسی اثر سے امیر شہیدؒ کی پوزیشن بیان کرنے میں اور ان کے مقصد کی تعین میں صریح غلط بیانی اختیار کر سکتا ہے تو بعض عرب رہنماؤن کے ذریعے سے ایسا پروپیگنڈہ کیوں ناممکن سمجھا جاتا ہے جس کے اثر سے تحریک اپنے اصلی مرکز سے منقطع ہو جائے اور جمہور کارندے قبل از وقت بلند پردازی کو اپنا مقصد قرار دیں، کیا اس طرح دوستی کے لباس میں اسے ناکام نہیں بنایا جاتا؟

(د) امیر شہیدؒ کی تحریک کو جاہل افاغنہ کے رہنماؤں سے جس قسم کا نقصان پہنچا ہے اس کے مطالعے کے لیے سید جمال الدین افغانیؒ کی تاریخ افاغنہ (عربی) اور امیر حبیب اللہ خاں کی لکھوائی ہوئی تاریخ افغانستان فارسی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۵) (الف) آخر میں ہم دوبارہ امیر شہیدؒ کے متعلق اپنا عقیدہ صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ ہم امیر شہید کو ایک معصوم امام مان سکتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا شہیدؒ انہیں اسی طرح منوانا چاہتے ہیں۔

(ب) مگر جس وقت ہم انہیں امارت کی ذمہ داری سپرد کرتے ہیں تو اجتماعی غلطیوں کی مسئولیت سے انہیں مبرا ثابت نہیں کریں گے ورنہ اس نادر مثال سے تحریک کی آئندہ ترقی میں استفادہ ناممکن ہو جائے گا۔

الامیر ولایت علی صادق پوری کی جماعت صادقہ:

جب کوئی امیر میدان جنگ میں شہید ہو جائے تو بقیۃ السیف مجاہدین کے لیے ضروری ہے کہ اپنا امیر انتخاب کریں معرکہ بالاکوٹ کے بعد اس قسم کی امارت مولانا ولایت علیؒ کے خاندان میں منحصر ہوگئی۔

(۱) ہم اس امارت کو ایک مستقل پارٹی مانتے ہیں جو امام ولی اللہؒ کی تحریک میں پہلی امارت کی راکھ سے پیدا ہوئی۔ اس پارٹی کی عظمت کا ہم اعتراف کرتے ہیں مگر نہ تو ہم کبھی اس پارٹی کے ممبر نہیں بنے اور نہ اس کی دعوت دینا کبھی ہمارا مقصد رہا ہے۔

(۲) (الف) ہم اس پارٹی کے مجاہدین کے ساتھ ان کے مختلف مرکزوں میں کافی زمانے تک ملتے رہے ہیں اس پارٹی کے بہت سے راز ہمیں معلوم ہیں مگر وہ ایک امانت ہے ہم اسے افشا نہیں کر سکتے۔ لیکن اس قدر تصریح میں عیب نہیں کہ ہماری ذہنیت اس اجتماع کا جزو بن کر مطمئن نہیں رہ سکتی۔

(ب) ہمارے دیوبندی رفقاء کو یاغستان میں اور ہمیں وکیل مجاہدین سمرقند کے ساتھ کابل میں ساتھ مل کر کام کرنے کا تجربہ ہے ہم لوگ ایک دوسرے کے تعاون وتناصر سے کبھی دست کش نہیں ہوئے۔ لیکن ایک پارٹی کے ممبر سمجھ کر ہمیں کسی نے قبول نہیں کیا۔ نہ

حکومت کابل نے ، نہ کسی بیرونی سیاسی جماعت نے ، یہ وہ اساس ہے جس پر ہم دونوں پارٹیوں کا علیحدہ علیحدہ تعارف کرانا ضروری سمجھتے ہیں ورنہ ہم اپنا کام آگے نہیں بڑھا سکتے۔

(۳) (الف) نواب صدیق حسن خانؒ نے جس اربعین کا ذکر کیا ہے وہ ہم نے دیکھی ہے وہ خرافات کا مجموعہ ہے اس میں اس قسم کے الفاظ بھی مرفوعاً موجود ہیں۔ کہ امام مہدی ہند کے شمالی مغربی کوہستان سے نکلے گا۔ وہ پنجاب کے کسی غیر معروف مطبع میں چھپی ہے اور خاص لوگوں میں تقسیم ہوتی ہے ہمیں معلوم ہے کہ اس وقت کے امیروں نے اس کی اشاعت ممنوع قرار دے رکھی ہے۔

(ب) غالباً مولانا ولایت علی صاحبؒ نے اپنے رسائل تسعہ میں امیر شہیدؒ کو مہدی متوسط قرار دے کران کی غیبت (جیسا کہ روافض کا بارہویں امام کا عقیدہ ہے) کا ذکر کیا ہے۔

(ج) امیر ولایت علیؒ کے رفیق مولانا عبدالحقؒ کا ترجمہ سلسلۃ العسجد میں دیکھنا چاہیے کیا نواب صاحب ان کی زیدیت یا تشیع سے ناواقف ہیں۔ ہم نے ایک رسالہ دیکھا ہے جو شاہی زمانے کی دہلی میں چھپا ہے اس میں مولانا محمد اسحاقؒ اور سید محمد علی رائے پوریؒ کے بعض بیانات بھی موجود ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ امیر شہیدؒ نے مولانا عبدالحقؒ کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا تھا وہ رسالہ مکہ معظمہ میں مولانا احمد سعیدؒ کے خاندانی کتب خانے میں موجود ہے اس پر مولانا عبدالغنیؒ کی مہر ہے

(د) جب سے اس پارٹی میں امام عبدالعزیزؒ کے طریقے سے انکار کا غلو پھیلا ہے عوام میں ایک طبقہ ائمہ فقہاء پر سب وشتم کرنے والا بھی پیدا ہوگیا ہے انہی لوگوں کو چھوٹا رافضی کہا جاتا ہے۔ حاشا وکلا اس پارٹی کے کسی محترم رکن کو اس قسم کا الزام نہیں دیا سکتا۔ ہم نے سرحدی مراکز میں امیروں کو حنفی طریقے پر نماز پڑھتے دیکھا ہے، ہم سے کہا گیا کہ یہ اس خاندان کا متوارث طریقہ ہے۔

الامیر امداد اللہؒ کی دہلوی جماعت رحمۃ اللہ علیہ

مولانا اسحاقؒ کو ہم ان کے جد امجد کی تحریک کا ایسا امام مانتے ہیں۔ جن کے متعلق الہامی پیشین گوئی اس خاندان میں متوارث ہے یعنی ہم امام محمد اسحاقؒ کو اس تحریک کی علمی اور سیاسی مصلحت کا محافظ مانتے ہیں اور حکومت کا ایک نائب امیر اس لیے امیر کی شہادت کے بعد

وہ ایک امیر بن جائے گا۔

سیاسیات میں اگر کسی جماعت کا امام محمد اسحاقؒ سے تعلق ثابت ہو جائے تو ہم اسے امام ولی اللہؒ کی تحریک میں ایک مستقل پارٹی تسلیم کرانا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس تفریق کا باعث ہم بنتے ہیں یا ہمارے مقابل یہ بحث دوسرے درجے کی مانتے ہیں۔

(۱) (الف) الامیر امداد اللہؒ کا تعلق امام محمد اسحاقؒ سے اولاً و آخراً ثابت ہے۔

شروع میں امیر امداد اللہؒ، مولانا محمد اسحاقؒ کے مدرسہ میں طالب علمی کرتے رہے۔ اسی زمانے میں مولانا محمد اسحاقؒ کے داماد اور خلیفہ مولانا نصیر الدینؒ سے کسب طریقہ کیا یہ وہی مولانا نصیر الدینؒ ہیں جنہیں مجاہدین نے بالاکوٹ میں پہلا امیر بنایا تھا۔

ان کی جگہ پر آگے چل کر مولانا ولایت علیؒ کا خاندان آیا ہے۔

(ب) امام محمد اسحاقؒ جس سال وفات پاتے ہیں۔ اسی سال امیر امداد اللہؒ حج کے لیے گئے امام محمد اسحاقؒ نے اپنے طریقے کی خاص ہدایتیں دے کر انہیں ہند واپس بھیجا۔ یہ بھی روایت ہے کہ انہیں یہ پیشین گوئی بھی سنائی کہ ایسا وقت آئے گا جب تم مکۂ معظمہ میں بیٹھ کر کام کرو گے۔

(ج) امیر امداد اللہؒ، شیخ نور محمد جھنجھانویؒ کے خلیفہ ہیں اور وہ شاہ عبدالرحیم افغانیؒ کے یہ دونوں حضرت امیر شہیدؒ کے نامور خلفاء میں سے ہیں شاہ عبدالرحیمؒ تو بالاکوٹ میں شہید ہوئے ہیں۔

(د) الامیر امداد اللہؒ کے رفقاء میں حکیم ضیاء الدین رام پوریؒ ہیں جو مولانا شہیدؒ کے خواص اصحاب میں تھے ان کا ذکر سوانح احمدیہ میں موجود ہے۔

(۲) مولانا مملوک علیؒ دہلی کالج کے مدرس تھے دیوبندی تحریک کے اکثر اساتذہ مولانا مملوک کے شاگرد ہیں جس سال مولانا محمد اسحاق مکہ معظمہ پہنچے اسی سال وہ حج کو گئے مولانا محمد یعقوب نے سوانح مولانا محمد قاسم میں کسی خاص مقصد کو ملحوظ رکھ کر اس کا اجمالی ذکر کر دیا ہے۔

(الف) مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کی جاگیر سے روپیہ حاصل ہوتا تھا

اس کا انتظام ایک جماعت کے ہاتھ میں رہا ہے اس میں مولانا مملوک علیؒ اور مولانا ظفر حسینؒ خاص حیثیت رکھتے تھے۔

(ب) مکہ معظّمہ سے واپس آ کر الامیر امداد اللہؒ بھی اسی سوسائٹی میں شامل ہو گئے۔

(ج) یہ سوسائٹی مولانا ولایت علی کی جماعت سے علیحدہ مانی جاتی تھی چنانچہ یہ روایت بھی موجود ہے کہ جب مولانا ولایت علیؒ سرحد کو گئے تو مومن خاںؒ نے مولانا امداد اللہؒ سے دریافت کیا کہ آپ کی نظر (کشفی) میں انہیں کامیابی ہوتی نظر آتی ہے؟ مولانا امداد اللہؒ نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر مومن خاںؒ خفا ہو گئے۔ مولانا امداد اللہؒ نے معذرت کی کہ اگر آپ نہ پوچھتے تو ہم کچھ نہ کہتے

(د) ان لوگوں کے متبعین کو ہم امام محمد اسحاق کی دہلوی پارٹی کہتے ہیں جس کے رہنما الامیر امداد اللہؒ تھے.

مولانا شیخ الہند کی دیوبندی جماعت یا مولانا محمد قاسم کے اتباع:

سقوط دہلی کے بعد اس دہلوی پارٹی کے افراد منتشر ہو گئے یہاں تک کہ الامیر امداد اللہؒ مکہ معظّمہ پہنچے اور مولانا محمد قاسم بھی نام بدل کر حج کے لیے نکلے مولانا محمد یعقوب کے مکتوبات میں اس سفر کا پورا تذکرہ موجود ہے۔

(ا) امیر امداد اللہ رحمہ اللہ نے مکہ معظّمہ میں فیصلہ کیا کہ امام عبدالعزیز رحمہ اللہ کے مدرسہ کی طرح دہلی سے باہر مدرسہ بنایا جائے اور امام محمد اسحاق کے طریقے پر نئی جماعت تیار کی جائے۔

(الف) مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ نے چند سال محنت کر کے دیو بند میں مدرسہ بنایا۔

(ب) ہم جہاں تک سمجھ سکے ہیں اس جماعت کے اولین موسس امیر امداد اللہ رحمہ اللہ اور ان کے دور رفیق مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ اور مولانا رشید احمد رحمہ اللہ ہیں امیر امداد اللہ رحمہ اللہ کے سو اس اجتماع کے ربط کو زیادہ مضبوط کرنے والے مولانا مملوک علیؒ اور مولانا عبدالغنی بھی ہیں۔

(ج) اس جماعت کے امتیازی اوصاف میں ہم وحدۃ الوجود حنفی فقہ کا التزام ترک خلافت سے اتصال تین اصول معین کر سکتے ہیں جو اس جماعت کو امیر ولایت علیؒ کی جماعت سے جدا کر دیتے ہیں۔

(۲) مدرسہ دیوبند کی سالانہ رویداد مسلسل ملتی ہیں مولانا محمود حسن کی طالب علمی اور پھر مدرسی پھر صدارت اور اپنے مشائخ ثلاثہ کی خلافت پھر شیخ الہندؒ بننے کے واقعات مشہور ومعروف ہیں۔

دیوبند کے ایک نومسلم طالب علم کا مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ سے تعلق:

۱۰) میں چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا شیخ الہندؒ سے اپنا تعلق واضح کردوں غالباً پچاس برس سے زیادہ عرصہ گزرا کہ میں نے بتوفیقہ تعالیٰ مدرسہ دیوبند کی طالب علمی سے فارغ ہوکر امام ولی اللہؒ کی حکمت وسیاست کے تدریجی مطالعہ کو اپنا مقصد حیات بنایا۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سارے سفر میں میری رہنمائی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ارشاد سے ہوتی رہی۔

(الف) اس سفر کی پہلی منزل ہم نے سات سال میں طے کی ہے میرا یہ وقت سندھ میں گزرا مولانا محمد قاسمؒ کے نظریات سے شروع کرکے مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ مولانا رفیع الدین امام عبدالعزیز کے توسط سے امام الائمہ امام ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ تک ہم پہنچ گئے۔

(ب) ہمارے دل میں اس کتاب کے مطالب کا آہستہ آہستہ یقین اور پھر یقین میں رسوخ پیدا ہوتا رہا اس سے ہم کتاب وسنت کو اطمینان سے سمجھنے کے قابل ہوگئے طالب علموں کی کئی جماعتوں کو ہم نے حجۃ اللہ پڑھائی اس کے بعد ہمیں موقع ملا کہ حضرت شیخ الہندؒ سے اس کتاب کے بعض اسباق سنے۔ اسی زمانے میں میں نے مولانا محمد قاسمؒ کا رسالہ حجۃ الاسلام مولانا شیخ الہندؒ سے سبقاً سبقاً پڑھا۔

(ج) اس میں مبالغہ نہ سمجھا جائے کہ ہمیں حضرت شیخ الہندؒ کے علمی مقام کی حیثیت اس کے بعد کسی قدر نظر آنے لگی۔ وہ بہ ظاہر تو قاسمی سیرت کا نمونہ تھے مگر باطن میں امام ولی اللہؒ کی حکمت کے متبحر ترجمان نظر آنے لگے۔ دیکھئے شیخ الہند رحمہ اللہ اپنے موضح الفرقان کے مقدمہ میں امام ولی اللہؒ رحمہ اللہ کا نام کس مزے سے لیتے ہیں۔

حجۃ اللہ علی العالمین شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ قدس سرہ:

(۲) حجۃ اللہ البالغہ کے اصول سمجھنے میں ہمارے لیے مولانا محمد قاسمؒ رحمہ اللہ کی کتابیں

بہت مفید ثابت ہوئیں ہم نے بچپن میں اسکول میں تعلیم پائی ۔ ہماری ذہنیت ریاضی سے بہت مناسبت رکھتی تھی۔ عیسائیوں کے مقابلے میں مولانا محمد قاسمؒ جو کچھ لکھتے ہین اور شیعہ کے شبہات کا جس طرح ازالہ کرتے ہیں اسے میں خوب سمجھا۔ اس نے میرے ذہن کو عام اہل علم سے علاحدہ ہوکر عقلی مسائل کو محض مولانا محمد قاسمؒ کے طریقے پر سوچنے کے لیے تیار کردیا۔

(الف) مولانا محمد قاسمؒ رحمہ اللہ محدود مسائل پر بحث کرتے ہین اور مجھے قرآن عظیم اورصحاح کی ہر ہر حدیث کو اسی طرح سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسی طرح میری پیاس مجھے امام ولی اللہؒ سے مانوس بناتی رہی۔ آہستہ آہستہ ان کے مخالف علماء کے نظریات سے انکار بھی پیدا ہونے لگا۔

(ب) مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کے نظریات میں رسوخ کا پہلا فائدہ یہ ملا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے اصول سمجھنے میں ہم نے......

(۱) سرسید اوران کے رفقاء کی تحریریں۔

(۲) مولانا محمد حسین بٹالویؒ اوران کی جماعت کی کتابیں

(۳) قادیانی تحریک کی تالیفات اپنے سامنے رکھیں اس طرح اپنے دیوبندی رفقاء کی طرح اپنے خاص فرقے کی معلومات میں محدود نہیں رہے۔

(ج) ہماری تحقیق میں متکلمین کی یہ جماعتیں دیوبندی اکابر کی سوا امام ولی اللہ رحمہ اللہ کے تمام اصول تسلیم نہیں کرتیں اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیوبندی جماعت اتباع مولانا محمد قاسمؒ رحمہ اللہ کی حکمت اور سیاست کو امام ولی اللہؒ کی حکمت وسیاست کا مقدمہ بناتے ہیں۔

(د) جس قدر عرصہ ہم ہند میں علمی کام کرتے رہے، دارالرشاد (سندھ) جمعیۃ الانصار (دیوبند) نظارۃ المعارف دہلی میں ہمارا مرکز (فکر) حجۃ اللہ البالغہ ہی رہی۔ اس کے بعد بیرونی سیاحت کے مختلف مقامات کابل، ماسکو، انقرہ، روما، توران میں بھی ہم نے حجۃ اللہ البالغہ کے عقلی اصول سے باہر جانا پسند نہیں کیا۔

(ہ) مکہ معظّمہ میں بیٹھ کر ہم نے اپنا پروگرام بنالیا کہ ان تبدیل شدہ حالات میں ہم کس طرح اپنے مسلک پر قائم رہ سکتے ہیں ۔ یورپین فلاسفی اور ہندو فلاسفی کے ماہرین سے ہم

ولی اللّٰہی فلاسفی کا کس طرح تعارف کراسکتے ہیں۔ہم اس راستے پر گرتے پڑتے قدم بڑھا رہے ہیں اور اپنی ہر ایک غلطی کی اصلاح کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں لیکن امام ولی اللہ رحمہ اللہ کی حکمت وسیاست کی جو انقلابی روح ہماری سمجھ میں آچکی ہے اس میں ایک ذرے کا فرق بھی برداشت نہیں کرسکتے۔

ولی ابن ولی حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ (امیر جمعیۃ علماء اسلام) کی فکرانگیز تحریر جو حضرت انورؒ کی حضرت سندھیؒ سے آخری ملاقات کے احوال پر مشتمل ہے۔اس ملاقات میں حضرت سندھیؒ نے نوجوان عبید اللہ انور کو چند ضروری نصیحتیں و وصیتیں فرمائیں (جو آج بھی قریباً پچھتر سال بعد) ہر طالبعلم خصوصاً دینی مدارس کے طلباء کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔(مؤلف)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ
کے تین بے دام خدّام
کے باہمی مراسم کی ایک جھلک

(حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمہ اللہ کے قلم سے)

پہلے مولانا عبیداللہ انور کی زندگی کے ابتدائی حالات اور تعلیم کی تفصیل مختصراً یہ ہے:

آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ قرآن کی تعلیم کے لیے قاری عبدالکریم صاحب کو خصوصی طور پر بلایا گیا۔ آپ سکول کے امتحان میں پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے اول آنے کی صورت میں منہ مانگا انعام دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ اول آئے تو انعام طلب کیا۔ انعام کیا تھا ایک دو عام استعمال کی اشیاء اور دیوبند علی گڑھ، جامع مسجد دہلی اور ندوۃ العلماء کی زیارت۔ یہ آپ کی روشن خیالی اور بلند فکری کی دلیل تھی کہ آپ نے اسلامی ہندوستان کے ان چار بڑے اداروں کو اپنی آنکھوں نے دیکھنا چاہا۔ چنانچہ آپ کو ان چاروں مقامات کی سیر کے لیے بھیج دیا گیا۔ آپ دہلی اور علی گڑھ دیکھ کر دیوبند پہنچے تو وہاں کے ماحول سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہیں ٹھہر جانے کا ارادہ کر لیا۔

آپ کی تعلیم حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا سید اسعد مدنیؒ کے ساتھ ہوئی۔ حضرت مدنی کے پرائیویٹ سیکرٹری قاری علی اصغرؒ نے آپ کو بسم اللہ پڑھا کر تعلیم کا آغاز کرایا۔ آپ کی تعلیم جاری تھی کہ آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ آپ کچھ عرصہ مظاہر العلوم میں بھی پڑھتے رہے جہاں مولانا سندھی رحمہ اللہ کی قائم کردہ جمعیۃ الانصار کے آفس سیکرٹری مولانا سید ظہیر الحق آپ کے نگران تھے۔ جب مولانا سندھی رحمہ اللہ اپنی طویل جلاوطنی کے بعد واپس آئے تو آپ دوبارہ دیوبند چلے گئے اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۴۶ء میں سند فراغت حاصل کی۔

یہی وہ زمانہ تھا جب آپ کو حضرت سندھی رحمہ اللہ کی رفاقت اور خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت سندھی رحمہ اللہ سے ہی آپ کو روشن فکری کا وہ خزانہ ملا کہ آپ ملکی سیاست کی کربلا میں حسینی قافلے کی آواز سمجھے جاتے تھے۔ آپ سامراج کے مقابلے میں مظلوم اور مقہور یا دوسرے لفظوں میں متکبرین کے مقابیل میں مستضعفین کی آواز تھے۔

حضرت مولانا سندھی رحمہ اللہ سے آپ کی رفاقت ایک طویل کہانی ہے جس کا ایک باب آپ نے اپنے قلم سے لکھا۔ یہ انہی کی زبانی سننے کے لائق ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''۲۴ سال جلاوطنی کے بعد مولانا سندھی رحمہ اللہ جب وطن تشریف لائے تو سفر و حضر میں مجھے خادمانہ حیثیت سے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ ان دنوں حجۃ البالغہ اور درس قرآن ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ ان کی عمر کا آخری اور میری عمر کا ابتدائی دور تھا، پھر حسب استطاعت میں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا، کم علمی کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو میں سوال کی جرأت کرتا۔ مولانا انتہائی شفقت سے دل کھول کر بات سمجھاتے اور پوری طرح مطمئن فرماتے۔ یہ سطور میری ان سے آخری ملاقات کی یادداشت ہیں۔ اس کے بعد مرض الوفات میں مجھے کچھ خدمت کا موقع ضرور ملا، لیکن کسی علمی گفتگو کی نوبت نہیں آئی۔ مولانا ان دنوں مختلف امراض کے نرغے میں تھے۔ ان پر تکالیف کی یورش تھی، لیکن زبان سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ ان کی قوت برداشت پر معالج بھی حیران تھے۔ بس ایک ہی لگن تھی۔ جو بھی عیادت کے لیے آتا، اسے قرآن میں غور و تدبر اور تفکر و تشخص کی نصیحت فرماتے۔ ان دنوں ان کا ایک پیغام تھا کہ دنیا کے تمام روگوں دکھوں اور مصائب و مشکلات کا حل قرآن میں موجود ہے۔ قرآن کو پڑھو اور اس پر عمل کرو اور اپنی زندگی قرآنی تعلیمات کو عام کرنے میں کھپا دو:

قرآن میں ہو غوطہ زن مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

یہ اوائل ۱۹۴۴ء کی بات ہے۔ میں دورہ حدیث کا سبق پڑھ کر اپنے کمرہ (دیوبند دارالاقامہ) باب الظاہر کی طرف آرہا تھا۔ ایک طالب علم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا قریب

آیا کہ حضرت مدنی یاد فرمارہے ہیں۔فوراً حاضر ہوا۔ جب مہمان خانہ میں میری ان پر نگاہ پڑھی ہنس کے فرمایا لیجیے!۔ آپ کا چہیتا آ گیا۔ بڑھ کر دیکھتا ہوں تو مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت ناشتہ کرار ہے تھے۔مجھے فرمایا: یہ (حضرت سندھیؒ) دہلی سے لاہور کا قصد فرما چکے تھے، میں نے ناشتے کی دعوت دی۔انھوں نے فرمایا اس شرط پر کہ میاں اصغر حسین صاحب سے ملاقات کرائیں۔ میں نے وعدہ کر لیا۔اب انہیں محلہ قلعہ پر میاں صاحب کے ہاں لے جائیں"۔تعمیل ارشاد میں چل پڑا۔ادب کی وجہ سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی، ورنہ میں تو ۱۹۴۱ء سے دیو بند میں مقیم ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ میاں صاحب عصر کے بعد ہی ملاقات کرتے ہیں اور اس وقت وہاں تعویذ لینے اور ملاقات کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوتا ہے۔ میاں صاحب اپنے معمول کے خلاف کبھی کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ہم (حضرت سندھیؒ اور مولانا عبید اللہ انورؒ) دارالعلوم روڈ پر چلے جارہے تھے۔ راستہ میں اونچی منڈیر کا ایک بڑا سا کنواں پڑتا ہے۔کنوئیں سے اس طرف ایک صاحب خاصا بڑا رومال کندھے پر ڈالے ادھر آتے ہوئے دکھائی دیے،لیکن ذہن اس طرف متوجہ نہ ہوا۔خیال ہوا کوئی بھی ہو،لیکن میاں صاحب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اس وقت سڑک پر خوب چہل پہل تھی۔وقت کوئی دس گیارہ کا ہوگا۔ میں اس سوچ میں گم تھا کہ میاں صاحب کے ہاں تو کوئی بڑے سے بڑا آدمی بے وقت دستک نہیں دے سکتا۔ میں کس طرح انہیں اطلاع کروں گا،لیکن خدا کی شان! جوں ہی پلٹ کر دیکھتا ہوں کہ دونوں بزرگ گرم جوشی سے معانقہ فرمارہے ہیں۔اللہ اکبر! تو یہ گویا میاں صاحب ہی تھے۔فرماتے ہیں کہ "میں تو صبح سے آپ کی باٹ دیکھ رہا تھا (انتظار کر رہا تھا) اب مجبوراً چلا کہ دیکھوں کہاں رہ گئے" اس وقت مسرت وانبساط سے دونوں بزرگوں کے چہرے دمک رہے تھے اور پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے خراماں خراماں قیام گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ ایک شیخ الحدیث اور مادر زاد ولی اللہ کا کشف تھا اور دیو بند والے تو ان کے کشف وکرامات دیکھنے کے عادی ہیں۔مکان پر آ کر ایک حیران کن بات دیکھی کہ تین پیالوں میں گنے کے رس کی نہایت عمدہ کھیر رکھی ہوئی ہے۔قریب ہی گرم دودھ پڑا ہے اور ہم تین افراد کے سوا وہاں اور کوئی موجود نہیں۔ ان میں میاں صاحب نے اپنے دست مبارک سے دودھ ڈالا۔ ایک ایک پیالہ ہمیں عنایت فرمایا اور ایک خود لے لیا۔ ارشاد ہوا نوش جاں

فرمائیں۔ پھر برسوں کے بچھڑے دوست راز و نیاز کی باتوں میں مشغول ہو گئے اور ساتھ ہی لذیذ وشریں کھیر سے بھی طلف اندوز ہوتے رہے۔ مجھے تو رہ رہ کر مائدہ سماوی یاد آتا رہا، جیسے ابھی ابھی ہم پر نازل ہوا ہو۔ ان دونوں بزرگوں میں قدر مشترک حضرت شیخ الہند کی ذات اقدس اور ان سے عقیدت و محبت تھی اور زیادہ تر ان ہی کے کمالات، ان ہی کی علمی و دینی اور سیاسی خدمات ہی کے احساسات و رجحانات پر گفتگو جاری رہی، بالخصوص قرآن حکیم سے ان کا شغف اور بے پناہ محبت اور انگریز اور ان کے گماشتوں سے اظہار نفرت و بیزاری کا بار بار ذکر آتا رہا۔ ضمناً شاہ اسماعیل رحمہ اللہ اور سید احمد شہید رحمہ اللہ اور خاص طور پر جنگ آزادی میں علماء کا جرأت مندانہ کردار، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت گنگوہی کی حریت فکر، جہاد شاملی و تھانہ بھون اور رفض و بدعات کے خلاف ان کے کارنامے بیان کرتے ہوئے مولانا سندھی رحمہ اللہ نے فرمایا حضرت شیخ الہند کو مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ سے تواضع اور انکسار کی نسبت تھی۔ اس نسبت کو امام ولی اللہ اپنی کتابوں میں نسبت اہل بیت کا نام دیتے ہیں اور یہی نسبت اہل بیت حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے مولانا سید حسین احمد مدنی کو حاصل تھی۔ پھر دونوں بزرگوں نے شریف حسین والیٔ مکہ کی ترکوں سے غداری، حجاز مقدس میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کی گرفتاری پر رنج وقلق کا اظہار کیا اور اسارت مالٹا کے دوران سنگدلانہ اذیتوں کو جس صبر وتحمل سے برداشت کیا ہے اس پر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ ادھر مولانا سندھی رحمہ اللہ دنیا کے مختلف گوشوں بالخصوص دیار حرم میں بکھری اپنی خوبصورت یادوں کو سمیٹ رہے تھے اور میاں صاحب کے منہ سے بے اختیار دعاؤں کے پھول جھڑ رہے تھے۔ نہ معلوم یہ پاکیزہ محفل کب تک جاری رہتی کہ مجھے کچھ آہٹ محسوس ہوئی۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا خادم پیغام لایا ہے کہ مولانا سندھی رحمہ اللہ کے لیے پرہیزی کھانا تیار ہو چکا ہے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ مہمانوں سمیت انتظار میں ہیں۔ اُٹھتے ہوئے مولانا سندھی رحمہ اللہ نے فرمائش کر دی۔ ''میاں صاحب! حج کے موقع پر حرم کعبہ میں آپ نے جو بات مجھے سنائی تھی، وہ ایک بار پھر سنا دیں''۔ ایک لحہ تامل کیے بغیر حضرت میاں صاحب نے فرمایا: مالٹا سے واپسی پر حضرت شیخ الہند کی صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ ان کا مرض بواسیر اور وجع المفاصل ہی کچھ کم تکلیف دہ نہ تھا کہ دیوبند تشریف لاتے ہی جاڑے میں بخار کا حملہ ہو گیا اور اسی حالتِ مرض میں متعدد

سفر پیش آ گئے اور خاص طور پر علی گڑھ جانا پڑا۔ جب حالت تشویش ناک صورت اختیار کر گئی تو علاج کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں حکیم عبدالرزاق اور حکیم اجمل خان نے ایسی قیمتی اور نایاب ادویات استعمال کیں جو بادشاہوں کو میسر نہیں، لیکن مالٹا میں جن شدائد سے واسطہ پڑھا تھا اس کا علاج دواؤں سے ممکن نہ تھا۔ بالآخر ڈاکٹر انصاری کے مکان پر حضرت کا وصال ہو گیا۔ اس سے کچھ ہی دیر پہلے حضرت پر گریہ طاری ہو گیا۔ خدام نے وجہ دریافت کرنا چاہی کہ علاج معالجہ ہو سکے، لیکن حضرت جواب میں کچھ ارشاد نہیں فرماتے۔ بار بار استفسار پر فرمایا ''میری تمنا اور زندگی بھر کی دعا یہ تھی کہ اسلام کے لیے جہاد کرتا ہوا مارا جاؤں اور میری پسلی گھوڑوں کی ٹاپوں میں پس جائے اور صبح قیامت سرخرو ہو کے اٹھوں اور اب جب کہ میرا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ دعا کے قبول نہ ہونے کا غم ستا رہا ہے'' یہ فرما کر کلمہ طیبہ پڑھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اب ہم یتیم ہو چکے تھے۔ ہماری دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ اس سے چند روز بعد حضرت کی قیام گاہ پر، جواب سونی ہو چکی تھی، ایک دن علماء کرام کا بہت بڑا مجمع تھا کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک آزادی کا ذکر چھڑ گیا۔ ہر شخص دکھ اور دلسوزی سے اس کا ذکر اپنے اپنے انداز میں کر رہا تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ صاحب تھانوی نے فرمایا: ''ہم نہ کہتے تھے کہ انگریزوں کے خلاف تحریک کامیاب نہ ہو سکے گی'' یہ بات سن کر مجھے بہت صدمہ ہوا۔ میں نے کہا: ''حضرت جی! یہ تو اپنوں کی وجہ سے ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا (اس سلسلہ میں عبدالحق اور ملتان کے خان بہادر رب نواز خان کا نام لیا جا سکتا ہے) اب آپ اس پیش گوئی پر فخر فرما رہے ہیں''۔

یہ سن کر مولانا سندھی بہت خوش ہوئے اور فرمایا

''میاں صاحب آپ نے کلمۂ حق کہہ کر ہمارا دل ٹھنڈا کر دیا ہے۔ خدا آپ کو اور مولانا سید حسین احمد مدنی کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے''۔ یہ بزرگ ایک بار پھر بغل گیر ہوئے۔ اس وقت ہر دو کی آنکھوں سے حسرت و یاس ٹپک رہی تھی۔ سلام اور دعا کے بعد کچھ غمگین سے ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ میاں صاحب اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کے گھر کے درمیان کچھ فاصلہ ہے۔ واپسی میں

ذرا تیز قدموں سے چل رہے تھے۔ کچھ دیر تو مولانا (سندھی) بالکل گم صم رہے"۔

پھر خود ہی مہر سکوت توڑی اور فرمایا:

"انور! تمہارے اور تمہاری عمر کے نوجوانوں کے لیے ہماری یہ نصیحت ہے کہ دورہ حدیث شریف کے بعد بی اے کے سٹینڈرڈ تک انگریزی زبان میں استعداد جب تک بہم نہ پہنچا لو، عملی زندگی میں قدم نہ رکھنا"۔

پھر (حضرت سندھی نے) فرمایا

"ہمارا تجربہ ہے کہ دارالعلوم کا نصاب پڑھنے کے بعد نوجوانوں میں بے پناہ صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور کسی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ فضلا سے ان کا ذہنی ارتقا کسی طرح کم نہیں ہوتا، بلکہ ہم تو تجربہ کے بعد انہیں فائق سمجھتے ہیں۔ یہ علمی مرتبہ فنون کی کتابیں اور درجہ تکمیل، جس میں حجۃ اللہ البالغہ شامل ہو، سمجھ کر پڑھی گئی ہوں، تب نصیب ہوتا ہے۔ اب صرف انگریزی زبان کا پردہ بیچ میں حائل رہتا ہے اور ڈائرکٹ میتھڈ کے اصول پر عمل کیا جائے تو یہ چند ماہ کی بات ہے۔ اگر ہمارے طلبہ ذرا ہمت کر کے اسے بھی چاک کر ڈالیں تو پھر یہ آج بھی ہر میدان میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتے ہیں"۔

پھر ذرا بلند آواز میں فرمایا:

"سنو انور! دارالعلوم دیوبند جو حضرت نانوتوی اور شیخ الہند کی بے مثال قربانیوں کا ثمر شیریں ہے۔ اگر دارالعلوم کے طلبہ نے ہماری اس تجویز پر عمل کیا تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مستقبل کے آزاد ہندوستان میں ایک فاضلِ دیوبند صدر جمہوریہ اور ایک وزیر اعظم کے عہدہ تک ضرور پہنچے گا اور مسلم ممالک بالخصوص عرب ریاستوں میں سفیر تو صرف ہمارے علماء ہی جانے چاہئیں"۔

اس کے بعد مولانا سندھی رحمہ اللہ ہنس کر فرمانے لگے:

''خیال ایک بیج ہی تو ہوتا ہے، خواہ یہ بیج کسی درخت کا ہو، کسی شہر، کسی جامعہ یا کسی تحریک کا کیوں نہ ہو، پہلے دماغ میں جنم لیتا ہے پھر زمین میں جڑیں پکڑتا اور آسمانی رفعتوں کو چھونے لگتا ہے''

اور اب جب کہ آستانۂ مدنی چند قدم پر تھا تو مولانا سندھی نے فرمایا:

اور ہماری دوسری نصیحت بلکہ وصیت یہ ہے کہ

''مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ یا اپنے والد (مولانا احمد علی رحمہ اللہ) سے ذکر قلبی کرنے کا طریقہ معلوم کرلو پھر تمام عمر تم اور تمہاری عمر کے نوجوان کم از کم ایک گھنٹہ یومیہ ضرور لطیفہ قلبی کا ذکر کریں۔ اس کی برکت سے ان شاء اللہ کسی دجل اور دجال کا کبھی اثر نہیں ہوگا''۔

جب ہم آستانہ مدنی پر پہنچے تو یہاں خوب گہما گہمی تھی۔ مہمان خانہ میں دستر خوان چنا جارہا تھا۔ اور حضرت مدنی آیا ہی چاہتے تھے کہ مولانا سندھی نے بیان کو مختصر کرتے ہوئے فرمایا:

''دیکھو انور! اسم ذات اللہ کا خوب دل لگا کر ذکر کرنا۔ جس کثرت سے ذکر الٰہی کرو گے، خدا نے چاہا تو اسی نسبت سے اعتماد علی اللہ پھر اس کے نتیجہ میں اعتماد علی النفس پیدا ہوگا، لیکن طبیعت میں اسی درجہ خود اعتمادی کے باوصف جب کبھی کسی کام کی ابتدا کرو تو پہلے اسے عقل وخرد کے ترازو میں تولو۔ جذبات اور محض ظن وتخمین کی بنا پر کوئی فیصلہ ہرگز نہ کرو۔ جب خوب سوچ سمجھ اور چھان پھٹک کر کوئی فیصلہ کرلو تو پھر اس وقت تک اس پر قائم رہو جب تک حقائق اس کی غلطی ثابت نہ کر دیں۔ **اذا عزمت فتوکل علی اللہ**

اس کے بعد تناول ما حضر نماز اور عرب فنجانوں میں سبز چائے کا دور چلا۔ فارغ ہوتے ہی استراحت کے لیے مولانا سندھی رحمہ اللہ باب

الظاہر میرے کمرے میں تشریف لے آئے۔ ساتھ ہی طلبہ اور کچھ اساتذہ کرام بھی چلے آئے۔ مولانا سندھی رحمہ اللہ نے اپنے ذوق کے مطابق حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیا اور پھر محبت اور شفقت کے نرالے انداز سے سب کو مصافحہ کر کے رخصت کیا''۔

ابھی میرے چند دوست باقی تھے کہ مولانا (سندھیؒ) نے فرمایا:

''انور! تم سے جو بات چل رہی تھی اس کے چند اختتامی جملے اور سن لو۔ خدا معلوم آئندہ کب موقع ملے''

پھر فرمایا:

''انسان کی زندگی اس کے مقاصد جلیلہ کی زندگی سے ہمیشہ کم ہوتی ہے۔ وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پالے، بالآخر اسے اس دنیا سے کوچ کرنا ہے۔ دنیا میں ہر چیز کی ایک عمر طبعی ہوتی ہے۔ اسی طرح بڑے مقصد کی بھی ایک زندگی ہوتی ہے، لیکن یہ ہماری زندگی سے علیحدہ ہوتی ہے جس پر موت طاری نہیں ہوتی، مگر ایک مخصوص زمانے کے بعد اس کی وقعت کم ہو کر بالکل ختم ہو جاتی ہے اور ہوتا یہ ہے کہ کہ عظیم تر مقاصد کے لیے کچھ لوگوں کو قدرت اعلیٰ استعداد اور غیر معمولی صلاحیت ودیعت فرما دیتی ہے۔ جو اس مہم کو سر کرنے کے لیے بھر پور کوشش کرتے اور پھر دوسروں کے لیے جگہ خالی کر دیتے ہیں۔ اسی کو ہم تقدیر اور مشیت الٰہی قرار دیتے ہیں۔ بے شک انسان اپنی عمر طبعی گزار کر رخصت ہو جاتا ہے، لیکن ہر شخص اپنے عمل کے خیر و شر میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے، مگر فنا نہیں ہوتا۔ ایک طبعی دنیا میں دوسرا روحانی و اخلاقی زندگی میں۔ اس فرق کے ساتھ کہ خیر و شر کتنے ہی اضافی کیوں نہ قرار دیے جائیں۔ لیکن اپنے خواص و نتائج کے اعتبار سے ایک بہر حال خیر اور دوسرا بہر طور شر ہے''۔ (خدام الدین ۲۸ جنوری ۱۹۸۳ء)

مصر میں اسیرانِ فرنگ سے سوالات:

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو اسیران فرنگ (برطانیہ) کا یہ مختصر قافلہ جدہ سے روانہ ہوا اور چار دن بعد یعنی ۱۶ جنوری ۱۹۱۷ کو سویز پہنچا اور وہاں سے قاہرہ پہنچا وہاں آپ کو ایک فوجی جیل خانے میں بند کردیا گیا۔ اور برصغیر سے جو رپورٹ یہاں پہنچی تھی اس کے مطابق ان حضرات سے سوالات کیے گئے یہ حضرت شیخ الہندؒ کی کرامت تھی کہ ان سب حضرات کے جواب ایک ہی رہے۔ باوجود کہ چاروں حضرات علیحدہ علیحدہ بند کیے گئے تھے حضرت شیخ الہندؒ سے جو سوالات ہوئے اور آپ نے جو جوابات دیئے ان کو ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

سوال: آپ کو شریف مکہ نے کیوں گرفتار کیا؟

جواب: اس کے محضر نامہ پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے

سوال: آپ نے اس پر دستخط کیوں نہ کیے؟

جواب: مخالف شریعت تھا۔

سوال: آپ کے سامنے مولوی عبدالحق حقانی کا فتویٰ پیش کیا گیا تھا؟

جواب: ہاں!

سوال: پھر آپ نے کیا کیا؟

جواب: رد کردیا۔

سوال: کیوں؟

جواب: مخالف شریعت تھا۔

سوال: آپ مولوی عبیداللہ کو جانتے ہیں؟

جواب: ہاں!

سوال: کہاں سے؟

جواب: انہوں نے دیوبند میں عرصۂ دراز تک مجھ سے پڑھا ہے۔

سوال: وہ اب کہاں ہیں؟

جواب: میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں عرصۂ ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوا ہے کہ حجاز وغیرہ میں ہوں۔

سوال: ریشمی خط کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: مجھ کو کچھ علم نہیں اور نہ میں نے دیکھا!

سوال: وہ (مولانا سندھی) لکھتا ہے کہ آپ اس کی سیاسی سازش میں خلاف برطانیہ شریک ہیں اور آپ فوجی کماندار ہیں؟

جواب: وہ اگر لکھتا ہے تو اپنے لکھنے کا خود ذمہ دار ہے۔ بھلا میں اور فوجی کمانداری؟ میری جسمی حالت ملاحظہ فرمایئے اور پھر عمر کا اندازہ کیجئے۔ میں نے تمام عمر مدرسے کی مدرسی میں گزاری۔ مجھ کو فنون حربیہ اور فوج کی کمان سے کیا مناسبت؟ (یہ جواب در اصل حضرت کی خود اعتمادی، ولایت کا مظہر ہے جس میں تدریسی مہارت بھی کارفرما ہے، مؤلف)

سوال: اس نے دیوبند میں جمعیۃ الانصار کیوں قائم کی؟

جواب: محض مدرسہ کے مفاد کے لیے!

سوال: پھر کیوں علیحدہ کیا گیا؟

جواب: آپس کے اختلاف کی وجہ سے!

سوال: کیا اس کا مقصد اس جمعیۃ سے کوئی سیاسی امر نہ تھا؟

جواب: نہیں! (حضرت کا یہ مختصر لفظ ''نہیں'' اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ انگریز جس کو سیاست کہتے ہیں وہ نہیں مقصد تھا بلکہ مقصد جماعت بندی اور جہد کے لیے صف بندی تھا جو کہ عین دین ہے، مؤلف)

سوال: غالب نامہ کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: غالب نامہ کیسا؟

سوال: غالب پاشا گورنر حجاز کا خط جس کو محمد میاں لیکر حجاز سے گیا اور آپ نے غالب پاشا سے اس کو حاصل کیا۔

جواب: مولوی محمد میاں کو میں جانتا ہوں، وہ میرا رفیق سفر تھا، مدینہ منورہ سے مجھ سے جدا ہوا ہے وہاں سے لوٹنے کے بعد اس کو جدہ اور مکہ میں تقریباً ایک ماہ ٹھہرنا پڑا۔ غالب پاشا کا خط کہاں ہے؟ جس کو آپ میری طرف منسوب کرتے ہیں؟

سوال: محمد میاں کے پاس

جواب: محمد میاں کہاں ہے؟

سوال: وہ بھاگ کر حدود افغانستان میں چلا گیا۔

جواب: پھر آپ کو خط کا پتا کیوں کر چلا؟

سوال: لوگوں نے دیکھا

جواب: آپ ہی فرمایئے کہ غالب پاشا گورنر حجاز اور میں ایک معمولی آدمی۔ میرا وہاں تک کہاں گزر ہوسکتا ہے۔ پھر میں ناواقف شخص۔ نہ زبان ترکی جانوں نہ پہلے سے ترکی حکام سے کوئی ربط ضبط۔ حج سے چند دن پہلے مکۂ معظمہ پہنچا۔ اپنے امور دینیہ میں مشغول ہوگیا تھا۔ غالب پاشا حجاز کا اگرچہ گورنر تھا مگر طائف میں رہتا تھا۔ میری وہاں رسائی نہ حج سے پہلے ہوسکتی تھی نہ بعد از حج۔ یہ بالکل غیر معقول بات ہے کسی نے یوں ہی اڑائی ہے۔

سوال: آپ نے انور پاشا، جمال پاشا سے ملاقات کی؟

جواب: بے شک۔

سوال: کیوں کر؟

جواب: جب وہ مدینہ میں ایک دن کے لئے آئے تھے تو صبح کے وقت انہوں نے مسجد نبوی میں علما کا مجمع کیا مجھ کو بھی مولانا حسین احمد صاحبؒ اور وہاں کے مفتی اس مجمع عام میں لے گئے اور اختتام مجمع پر انہوں نے دونوں وزیروں سے مصافحہ کرادیا۔

سوال: آپ نے اس مجمع میں کوئی تقریر کی؟

جواب: نہیں

سوال: کیوں؟

جواب: مصلحت نہ سمجھا۔

سوال: مولوی خلیل احمد صاحب نے تقریر کی؟

جواب: نہیں۔

سوال: مولانا حسین احمد صاحب نے کی؟

جواب: ہاں۔

سوال: پھر انور پاشا نے آپ کو کچھ دیا؟

جواب: اتنا معلوم ہے کہ مکان پر ایک شخص پانچ پانچ پونڈ لے کر انور پاشا کی طرف سے آئے تھے۔

سوال: پھر آپ نے کیا کیا؟

جواب: حسین احمد کو دے دیا تھا۔

سوال: ان کاغذات میں لکھا ہے کہ آپ سلطان ترکی، افغانستان، ایران، میں اتحاد کرانا چاہتے ہیں۔اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کرا کے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرانا چاہتے ہیں اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔

جواب: میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ کو حکومت کرتے ہوئے اتنے دن گزر چکے۔کیا آپ گمان کر سکتے ہیں کہ میرے جیسے گمنام شخص کی آواز پاشاؤں تک پہنچ سکتی ہے؟ اور پھر کہاں سالہا سال کی ان کی عداوت میرے جیسا شخص زائل کر سکتا ہے اور پھر اگر زائل بھی ہو جائے تو کیا ان میں ایسی قوت ہے کہ وہ اپنے ملک کی ضرورتوں سے زائد سمجھ کر ہندوستان کی حدود پر فوجیں پہنچا دیں اور اگر پہنچا بھی دیں تو آیا ان میں آپ سے جنگ کی طاقت ہوگی؟ (ملاحظہ فرمایئے! حضرت نے بقدرِ ضرورت جواب لمبا کیا مگر ایک حرف خلافِ حقیقت بولے بغیر تفتیشی کو قائل کر لیا)

سوال: فرماتے تو آپ سچ ہیں مگر ان کاغذات میں ایسا ہی لکھا ہے؟

جواب: اس سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں کی باتیں کس قدر پایۂ اعتبار رکھتی ہیں۔

سوال: شریف کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: وہ باغی ہے (شریفِ مکہ اور اُس کے خاندان کا ذکر لارنس عربیہ کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں آچکا ہے)۔

سوال: حافظ احمد صاحب کو آپ جانتے ہیں؟

جواب: خوب وہ میرے استادزادے ہیں اور بہت سچے اور مخلص دوست ہیں۔

مولانا محمود حسن حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو معاصرین کا خراج تحسین

☆مولوی محمود حسن (رحمہ اللہ) علم کا زیور ہے (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ و حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ)

☆ شیخ الہند مولانا محمود حسن (رحمہ اللہ) کی وفات بلا شبہ ایک قومی ماتم ہے (امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ)

☆مولانا محمود حسن (رحمہ اللہ) ہندوستان کے گذشتہ دورِ علماء کی آخری یادگار تھے۔ (امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ)

☆ شیخ الہند رحمہ اللہ کی تحریک اور سیاسی جدوجہد خالص قرآن مجید کی تعلیمات کے زیر اثر ایک نہایت عظیم اور اہم اسلامی مقصد کی تکمیل کے لئے تھی۔ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمہ اللہ)

☆حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تحریک کا اصل مقصد استعمار اور ملوکیت کو ختم کرنا تھا۔ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمہ اللہ)

☆ شیخ الہند رحمہ اللہ ہندوستان کا ایک نور تھے جو گل ہو گیا مگر میں خداوند تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ اس ایک نور کے عوض اس جگہ سینکڑوں نور روشن کرے گا۔ (شیخ الہند رحمہ اللہ کو شاہ افغانستان کا خراج تحسین)

☆ شیخ الہند رحمہ اللہ عالم اسلام کے جسم میں اپنی پر تاثیر تقریروں کے ذریعے تازہ روح کی پرورش کر رہے تھے۔ (شیخ الہند رحمہ اللہ کو افغانستان کے سپریم کمانڈر کا خراج عقیدت)

☆ہمارے اعتقاد میں وہ شیخ الہند رحمہ اللہ و السند و العرب والعجم تھے۔ (مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

☆ شیخ الہند رحمہ اللہ ایک نور تھے۔ مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے ایک کام شروع فرمایا تھا میں اس کو پورا کروں گا۔ (امان اللہ خان مرحوم سابق امیر افغانستان)

☆ شیخ الہند رحمہ اللہ کی مٹھی بھر ہڈیوں اور مختصر سے جسم میں کیا کرامت رکھی ہوئی تھی کہ اس نے پوری دنیائے اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ (ترک وزیر جنگ جمال پاشا)

☆ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تو اس تحریک میں ایسے بلند مقام پر پہنچ گئے کہ ہمارے اذہان اور خیالات بھی وہاں تک نہیں پہنچے۔ (شیخ الہند رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد دیو بند آئے تو) رو رو کر کہنے لگے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے انتقال نے ہماری کمر توڑ دی۔ (مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ)

☆ ان مختصر سی ہڈیوں میں کس قدر دین اور سیاست بھری ہوئی ہے اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں (ترک وزیر جنگ جمال پاشا کا اعتراف عظمت)

☆ مولوی محمود کو کم نہ سمجھو یہ اپنے زمانے کا شیخ ہوگا۔ (مزید ارشاد فرمایا): مولوی قاسم نے تمہیں مولوی ہی نہیں بنایا بلکہ فقیر بھی بنا دیا ہے (قطب عالم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ)

☆ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کرام ہمارے دوسرے نظر بندوں کے مقابلے میں مختلف حیثیتوں سے ترجیحی پہلو رکھتے ہیں، ان کے اس شرف اور امتیاز کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنی نظر بندی کا آغاز اس سرزمین سے کیا جس کے ایک گوشے میں ''اسلام کا سب سے پہلا نظر بند'' شعب ابی طالب میں تین برس محصور رہا۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ مولانا کو جس طرح اپنے دیگر اعمال میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع کا ذوق وشوق تھا اللہ تعالیٰ نے اس آخری عمل میں بھی اسوہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا شرف ان کو عطاء فرمایا۔ اس پیرانہ سالی میں وطن سے ہزاروں کوس دور جس ثبات قدم اور رسوخِ عزم کے ساتھ وہ اس سنگلاخ زمین کو طے کر رہے ہیں وہ گزشتہ ائمہ کرام کے عہد ماضی کی یاد زندہ کر رہا ہے''۔ (سید سلمان ندوی رحمہ اللہ)

☆ مولانا محمود حسن کا ذہن ہماری سوچ سے پچاس سال آگے ہے (مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ)

☆ صاحبو! یاد رہے کہ وہ (درحقیقت) جس دیوار کا سہارا لئے بیٹھے تھے وہ خالی اینٹ پتھر کی

دیوار نہ تھی، وہ ایمانِ محکم اور اس ایمان کے نتیجہ میں یعنی عظیم الشان ملی ماضی کی دیوار تھی اور وہ صرف ان نوجوانوں کو مخاطب نہ فرما رہے تھے جو ان کے سامنے تھے بلکہ ان کا روئے سخن قوم کی ساری آنے والی نسلوں کی طرف تھا۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین سابق صدر ہندوستان)

☆ آپ رحمہ اللہ عہد حاضر کے سب سے بڑے محدث اور اسوہ پیغمبری کے عالم اور باعمل تھے۔ (ڈاکٹر انصاری مرحوم) (تحریر، تحقیق:۔ محمد فاروق قریشی، ڈائریکٹر مفتی محمود اکادمی کراچی)

مؤرخِ ملت

حضرت مولانا سیّد محمد میاں رحمہ اللہ

حضرت مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کو ہمارے بعض دوستوں نے ''سیّد الملّت'' لکھنا شروع کیا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنی سیرت وخدمات اور ملت کی رہنمائی میں اپنے مساعی جلیلہ کی بنا پر ملت کی سیادت کے منصب پر فائز تھے۔ لیکن اس سے کسی علم وفن اور عمل کے کسی خاص میدان میں ان کے عمومی امتیاز اور تخصص کا اظہار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شیخ الہند، شیخ الاسلام، مجاہد ملت یا فدائے ملت کے خطابات سے براعظم ہند پاکستان کی قومی تاریخ کی ایک عظیم رہنما شخصیت، ملت اسلامیہ کی ایک بزرگ اور دینی وعلمی فضلیتوں کی حامل شخصیت، ملتِ اسلامیہ کی ایک صاحب عزیمت اور خدمت گذار وجاں نثار شخصیت اور آخرالذکر سے ذوق خدمت ملّت کے پیکر خاکی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ فدائے ملّت کے خطاب پر اس کے صاحب کی سیرت وسوانح اور ذوق خدمتِ ملّت پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامعہ آں مرحوم کی قامتِ زیبا ہی کے لیے قطع کیا گیا تھا۔

ہمارے ممدوح مولانا سید محمد میاں رحمتہ علیہ کی پوری زندگی ملت کی خدمت اور علم وعمل کے میدانوں میں مسلمانوں کی رہنمائی اوران کی تعلیم وتربیت کے سروسامان کی فکروسعی میں گزری تھی۔ وہ جیسے بڑے صاحب علم تھے ویسے ہی رجل کار بھی تھے ان کا شمار علمائے دین میں ہونے کے ساتھ اہل ہمت میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ علم وعمل کی تقسیم میں وہ عالم زیادہ بڑے تھے۔ اور علوم وفنون کی تقسیم میں مدرس، محدث، مسفر، فقہ، واعظ، خطیب کے مقابلے میں وہ مصنف زیادہ بڑے تھے ان کی تالیفات وتصنیفات کا دایرہ تذکرہ، سوانح، سیرت، تاریخ ہند، تاریخ اسلام، تاریخ عزیمت دعوت کے موضوعات کو محیط ہے۔ اور علوم وفنون کی تقسیم کے اقسام اول کے دایرے بھی حضرت مرحوم کی تصنیف وتالیف کے مضامین میں شامل ہیں۔ نیز تذکار وسوانح اور سیرت میں بھی تاریخی عنصر جزو غالب ہے گویا

کہ ان کے تمام تصنیفی کاموں میں ان کی مورخانہ خصوصیات نمایاں ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ ان کے اعزاز وخطاب میں ان کی مورخانہ خصوصیت اور خدمت کا اظہار اور اعتراف لازماً ہونا چاہیے تھا۔

اس تجزیے کے نتیجے میں حضرت مرحوم کی جن خصوصیات اور خدمات کا سب سے وسیع دایرہ نمایاں ہوتا ہے اور جسے ان کی ہمہ قسم کی تحریرات وتصنیفات نے ثابت کیا ہے وہ ان کی تصنیفات کا تاریخی عنصر ہے۔ ان کا یہ تخصص اس امر کا متقاضی ہے کہ اس کا اعتراف کیا جائے اور انہیں کسی ایسے لقب سے ملقب اور ایسے خطاب سے مخاطب کیا جائے جس میں ان کے اس تخصص کا اظہار بھی ہو۔''مورخِ ملّت'' کی ترکیب ان کی اس خصوصیات وخدمت کے اعتراف اور احترام کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔

الحمد اللہ! میں نے حضرت مخدوی کی خصوصیات علمی وعملی کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی اور انہ اس کے اعتراف کے اظہار میں میرے قلم نے کوتاہی کی۔ حضرت مرحوم کے لیے ''مورخِ ملّت'' کے اعزازی وتکریمی جملے کا اختیار اور اس کا التزام میری اسی فکر اور عقیدت کا غماز ہے۔

ابوسلمان شاہ جہاں پوری

کتابیات

تذکرہ شیخ الہند رحمہ اللہ ______ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ

نقشِ حیات ______ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

مولانا محمود حسن رحمہ اللہ ایک سیاسی مطالعہ ______ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجانپوری

جمعیت علماء کیا ہے ______ حضرت مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ

خطباتِ جمعیت علماء ہند ______ پروین روزینہ صاحبہ

ایشیا کی عہد ساز قیادت روحِ عصر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ (پروفیسر مولانا محمد ناصر)

سیاسی ڈائری (کامل آٹھ جلد) ______ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

کابل میں سات سال ______ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ

ماہنامہ ''فقاہت'' لاہور ______ از حضرت مولانا عبدالوحید اشرفی

مفتی کفائت اللہ دہلویؒ رحمہ اللہ ایک مطالعہ ______ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجانپوری زیدہ مجدہٗ

علماء ہند کا شاندار ماضی ______ حضرت مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ

مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ شخصیت اور جدوجہد ______ پروفیسر امجد علی شاکر